گاہے گاہے باز خواں.....

شعیب اعظمی

جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

گاہے گاہے باز خواں.....

شعیب اعظمی

الکتاب انٹرنیشنل
بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

نعتیں اس قدر پاکیزہ اور شستہ ہیں، ترکیبوں کی روانگی اور برجستگی پر کہیں کہیں سہیل کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے لیکن ان کی اکثر ترکیبیں اقبال صاحب کی نعت صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو ملیں گی بعض جگہ آپ کے قلم سے نقل میں غیر شعوری طور پر سہو ہوگیا ہے، میں نے اس پر سرخ نشان کر دیا ہے۔

دیکھئے کیا یہ شعر اس محل کے لئے موزوں ہوتا ہے؟

دو یار زیرک واز بادہ کہن دو منے
فراغتے و کتابے وگوشہ چمنے

انتہائی غور وفکر کے بعد بھی کوئی اور شبہ فی الحال ذہن میں نہیں آیا،

(۱) معلوم نہیں آپ کو میری تجویز پسند آئی یا نہیں میری اب بھی یہی رائے ہے کہ آپ ایک مختصر تمہید خود لکھکر وہ نظم ضیاء الدین (۲) صاحب کے نام سے ہماری زبان میں بھیجدیں، امید ہے شائع ہوجائے گی، حکیم صاحب والی کاپی آپ مجھے دیدیجئے میں ان کو دیدوں گا، ایک کاپی میں خود بھی اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔

شفیق صاحب کی تقریب کے لئے ایک سہرے کی فرمائش تھی اسکی تعمیل بھی ضروری تھی۔

آپ کے لئے اس کی ایک کاپی لایا ہوں۔

سکندر پور کا قصبہ گلاب دیا سمن کے لئے مشہور ہے، اسلئے سہرے میں اسکی کافی رعایت ہے، جہان نور میں بھی ایک لطیف تلمیح ہے یعنی دولہن کا نام نور جہاں ہے۔

شمیم اور نور جہان نور ونکہت

یحییٰ

---

(۱) من این مقام بہ دنیا و آخرت ندہم اگر چہ در پیم افتند خلق انجمنے حافظ شیرازی

(۲) مشہور عالم فاضل، مدیر مجلہ معارف، ناظم علمی اور انتظامی دار المصنفین

نظم کی پسندیدگی اور قدردانی سے بیحد خوش ہوں میں نے تو اسے یونہی لکھ دیا تھا، لیکن آپ نے پسند فرما کر اسکی وقعت بڑھادی اور میرا بار ہلکا کر دیا ورنہ بڑی ندامت تھی،

میری رائے یہ ہے کہ آپ اسے خوشخط لکھوا کر پڑھوا دیجئے اور حکیم صاحب کی نظم چھپوایئے کیونکہ انکی خواہش کی تعمیل ضروری ہے اور اسکی تھوڑی ذمہ داری مجھپر بھی ہے۔

اب میں نہایت خلوص سے آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ براہ کرم بارات کی شرکت سے مجھے معاف کر دیجئے بقیہ اور پروگرام میں میں نہایت خوشی سے انشاءاللہ شریک ہوں گا، اور اگر میرے لائق کوئی کام ہو تو اس کے لئے بھی حاضر ہوں۔

یحییٰ

آپ کی تحریک پر میں نے والد کی شاعری کے متعلق یہ چند سطریں لکھی ہیں اگر آپ اسے پسند کریں تو ہماری زبان میں بھیجدوں۔ اس میں آپ اپنے ذوق کے مطابق مناسب ترمیم وتنسیخ بھی کر سکتے ہیں۔

۳۳۔ "

عرصہ ہوا نیاز (۱) صاحب نے اس تجویز کی طرف توجہ دلائی تھی اس وقت شاہ صاحب نے بھی اس سے دلچسپی لی تھی اب معلوم نہیں یہ کام انکے پیش نظر ہے یا نہیں کیا اسکے لئے انھوں نے آپ کو کوئی خط لکھا ہے۔ آخر یہ خیال اتنے دنوں کے بعد آپ کے ذہن میں کیونکر تازہ ہوا۔

آجکل بعض حالات کی وجہ سے میری طبیعت بہت افسردہ رہتی ہے اور ختم سال کی وجہ سے کچھ مصروفیت بھی رہے گی لیکن اگر آپ اور ضیاؤالدین صاحب سے مل کر یہ کام شروع کریں تو میں بھی اپنی استعداد و مذاق کے مطابق آپ لوگوں کی کچھ مدد کروں گا۔

یہ صحیح نہیں ہے کہ آپ میں انتخاب کی صلاحیت نہیں ہے، آپ بہت اچھا انتخاب

---

(۱) نیاز احمد شبلی اسکول میں انگریزی کے اُستاد محمد حسن انٹر کالج کے پرنسپل پھر ندوۃ العلماء میں انگریزی زبان کے اُستاد۔)

کر سکتے ہیں۔ میرے خیال میں جدید نعت گو شعرا کے کلام کا انتخاب کرنا چاہئے ایسے شعرا کے دواوین آپ فراہم کریں گے، سہیل، زائر حرم (۱) عرش ملسیانی، مولانا محمد علی جوہر اور شاید ڈاکٹر اقبال بھی، انکے علاوہ اور شعرا کے کلام کے مجموعے کتاب خانہ میں ہونگے۔

یحیٰ

میری دو نعتیہ نظمیں ہیں ان میں سے آپ جو پسند کریں، رکھیں اس کا انتخاب آپ ہی کریں گے، البتہ جو نظم آپ منتخب کریں مجھے بتادیں تا کہ ان کے بعض اشعار میں نکال دوں،

مولانا ظفر علی خاں (۲) کی بھی بعض نعتیں مشہور ہیں، بہارستان سے انتخاب کر لیجئے مولانا شبلی کی کوئی نعت میری نظر سے نہیں گذری ,,کلیات شبلی،، دیکھتا ہوں شاید کوئی ایسی نظم ملجائے۔

یحیٰ

الف اس نظم کی اشاعت کے متعلق کیا عرض کروں یہ بالکل ایک ذاتی نظم ھے جسکی اشاعت معلوم نہیں مناسب ہوگی یا نہیں اور اس معاملہ میں تو میں بہت ہی بچتا رہتا ہوں میری رائے یہ ہے کہ اسے نہ میں بھیجوں نہ آپ بلکہ ایک تیسرے صاحب کسی پرچہ میں مختصر سی تمہید اور تعارف کے بعد بھیجدیں، میں تو ,,چٹان،، کے بجائے انجمن ترقی اردو کے ہفتہ دار اخبار ہماری زبان کو پسند کرتا ہوں یا اگر آپ پسند فرمائیں تو اُن کو بھیجدیں اور لکھدیں کہ وہ ادیب میں شائع کردیں، میرے خیال میں ,,جامعہ،، بھی موزوں ہوگا۔

۳۴۔

نیا دور کے کئی پرچے یہاں آئے ہیں، مجھے اپریل ۶۰ کے پرچہ کی ضرورت ھے، اگر کوئی زائد پرچہ مل جائے تو مجھے دیدیجئے، میرا پرچہ کہیں چلا گیا ہے لیکن یہ پرچہ میں واپس نہیں کروں گا،

---

(۱) حمید صدیقی (م: ۱۵ر فروری ۱۹۶۵ء)

(۲) مشہور خطیب، اڈیٹر زمیندار، لاہور (م: ۲۷ر نومبر ۱۹۵۶ء)

اردو پر ایک نظم اور مل گئی ۔ ہے، یہ حیات اللہ (۱) صاحب کی آمد کے موقع پر پڑھی گئی تھی، اور شاید غیر مطبوعہ تھے، اگر آپ ان میں سے کوئی بھی نظم اس نمبر کے لئے مناسب نہ ہو تو مجھے اس کا کچھ بھی خیال نہ ہوگا، اسلئے آپ اس طرف سے بالکل مطمئن رہئے۔

یحییٰ

۳۵۔

مٹی تری آب وگل وریحاں سے بنی ہے　　جان چمنستان تری گل پیرہنی ہے
فطرت کے خزانوں سے تری خاک دھنی ہے　　آسودہ تری خاک میں تیرا وہ غنی ہے
ہے جس کی نوا سوز غم عشق کی تفسیر
اے جنت کشمیر

۳۴۔الف کل کے اخبارات میں اگر ہماری زبان ہو تو تھوڑی دیر کے لئے بھیج دیجئے

یحییٰ

۳۴۔ب کل کے اخبارات میں ہماری زبان آیا ہو تو ذرا دیدیجئے

یحییٰ

۳۴۔ج میں نے آجکل دو نظمیں لکھی ہیں ایک پنڈت جی پر اور ایک کشمیر پر پنڈت جی والی نظم ممکن ہے آپ کو پسند آئے اسلئے آپ کے دیکھنے کیلئے بھیجتا ہوں۔

یحییٰ

ایک مدت کے بعد آپ کے قلم کے یہ چند پر خلوص اور حوصلہ افزا کلمات پڑھکر میری آنکھ سے آنسو نکل آئے۔

اس قدر دانی کا بہت بہت شکریہ

یحییٰ

---

(۱) مشہور صحافی اڈیٹر قومی آواز لکھنؤ اور دہلی)

یہ بہت مبارک خبر آپ نے سنائی، اب بحمد اللہ دونوں فرائض سے آپ فارغ ہو جائیں گے اور یہ آپ کی بڑی خوش قسمتی ہے۔

حکیم صاحب کی نظم میری نظر سے بھی گذر چکی ھے اس وقت پریس بہت مشغول ھے اور وقت بہت کم رہ گیا ھے، دونوں نظم بھلا کیسے چھپ سکتی ھے بہرحال عطاؤ اللہ صاحب سے کہتا ہوں، آپ بھی ذرا ان کو لکھدیجئے، میری نظم اگر نہ چھپے تو کیا حرج ہے۔

۳۶۔ مجھے ڈاکٹر اقبال کا ایک شعر دیکھنا تھا وہ اس میں نہیں ملا کیا ضرب کلیم مل سکتی ہے، ہو تو کسی وقت بھیجدیجئے گا۔

یحییٰ

۳۷۔ مہربانی کر کے ان کو مولانا حمید الدین کی تحفۃ الاعراب دو تین دن کے لئے میرے نام لکھ کر دیدیجئے۔

یحییٰ

۳۸۔ سعید انصاری صاحب نے پڑھنے کے لئے کتاب مانگی ہے مہربانی کر کے ان کے مذاق کی کوئی چیز دیدیجئے، حیات اجمل میں نے شاہ صاحب کے یہاں بھجوادی تھی۔

یحییٰ

۳۹۔ دیوان کی کاپیاں آپ نے نہ دیکھی ہوں تو مجھے بھیجدیجئے، میں دیکھکر آپ کے پاس بھیجدوں گا۔

یحییٰ

۴۰۔ علم وفن کا غالب نمبر تھوڑی دیر کے لئے دیدیجئے۔

یحییٰ

۴۱۔ ''فتاویٰ رحیمیہ'' ذرا تھوڑی دیر کے لئے بھیجدیجئے، اس کا پتہ معلوم کرنا ہے ایک صاحب منگائیں گے۔

یحییٰ

۴۲۔ چٹان مل گیا ہو تو تھوڑی دیر کے لئے بھیجدیجئے۔

یحییٰ

۴۳۔ یہ ندوہ کے ایک کشمیری طالبعلم ہیں، دارالمصنفین دیکھنے آئے ہیں اور شاہ صاحب سے ملنا چاہتے ہیں، آپ ذرا انوار کو ساتھ کردیجئے۔

یحییٰ

۴۴۔ مولانا رائے پوری کی سوانح (از مولانا علی میاں) خالی ہو تو دیدیجئے۔

یحییٰ

۴۵۔ بہت دلچسپ، بہت خوب، انکے حمق کے بہت سے واقعات سنے تھے لیکن یہ واقعی شاہکار ہے اور بیحد دلچسپ۔

یحییٰ

۴۶۔ عبدالرزاق قریشی کا ایک دفتری خط آیا ہے، انھوں نے آپ کی خیریت پوچھی ہے اور سلام لکھا ہے، صباح الدین صاحب سے انکو آپ کی بیماری کا حال معلوم ہوا تھا۔

یحییٰ

۴۵۔ اصل معاملہ تو ندوہ سے انتساب کا ہے، دارالمصنفین سے انتساب تو بہرحال ایک حقیقت ہے مگر میں بھی اسے پسند نہیں کرتا۔

یحییٰ

۴۶۔ یہ آپ نے کیا کہدیا، میں نے تو نج کے طور پر آپ سے کہا تھا پریس کی طرف سے کوئی جلدی نہیں تھی، چونکہ یہ کاپی کل سے رکھی تھی اور مجھے اپنے دیکھنے پر اعتماد نہیں ہے اس لئے میں نے کہدیا، افسوس ہے آپ نے بے وجہ ناگواری محسوس کی اس سے مجھے تکلیف

محسوس ہوئی۔

یحییٰ

۴۷۔ عینک کا شکریہ اس کی اجرت بتادیجئے۔ ذرا تکلیف کرکے معارف کا شروانی نمبر کسی فرصت کے وقت تلاش کردیجئے گا۔

یحییٰ

۴۸۔ ماسٹر وحید(۱) صاحب نے قومی زندگی کے اتنے رنگ بدلے ہیں کہ اب ان پر ہم لوگوں کو بالکل اعتماد نہیں رہا، نہایت کیریکٹرلس اور ناقابل اعتبار آدمی ہے، اگر شاہ صاحب کے ذہن میں یہ بات ہے تو میں بھی اسکی مخالفت کروں گا۔

محلہ باز بہادر اور سیتا رام بیشک اگر تھوڑی سی کوشش کیجائے تو کامیابی ہوسکتی ہے، مجھے آپ کی رائے سے پورا اتفاق ہے، حکیم صاحب کے یہاں شام کو آئیے تو ان سے گفتگو کرکے کام کا ایک نقشہ بنانا چاہئے اس کام میں شہر کے مکاتب اور مدرسہ اسلامیہ کے ذمہ دار ارکان کا مشورہ اور تعاون ضروری ہے۔

آج حکیم صاحب عین الحق صاحب کے یہاں رہیں گے وہیں آپ بھی آیئے،

یحییٰ

۴۹۔ اقبال صاحب کا نام واقعی غلطی سے چھوٹ گیا ہے اور یہ بہت بڑی فروگذاشت ہے اور دراصل حافظ حمید صاحب کی حماقت کا نتیجہ ہے، ان سے اولین فرصت میں معذرت کرنی ہے۔

آپ نے وحید صاحب کے نام کی بیجا سفارش کی ہے، میرے سامنے ایک اور نہایت ضروری نام ہے اور انکی میں اس کی سفارش کروں گا، یہ دونوں نام انشاء اللہ ضرور نکال

---

(۱) عبدالوحید انصاری سے یحییٰ اعظمی کی ناراضگی سیاسی نظریہ کی بنا پر تھی ورنہ طبعاً بہت اچھے آدمی تھے اور بعد کے سالوں میں یحییٰ اعظمی کے دوست اور سیاسی ہم خیال ہوگئے تھے۔

دئے جائیں گے۔

یحییٰ

....کے موافق تھیں اور اس سے اس نے فائدہ بھی اٹھایا لیکن مجھے نہایت افسوس ہے کہ اسکے اعتراف وتشکر کے بجائے لوگوں کے ساتھ مجھپر بھی جملے کئے گئے مجھے اس کا کوئی رنج نہیں کیونکہ یہ تو اب ان لوگوں کا شیوہ ہی بن گیا ہے۔

مولوی احمد اللہ قاسمی کا بیان میں نے آج تک نہیں پڑھا اور نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ اونھوں نے کیا لکھا، آپ کے قلم کا بیان البتہ پڑھا اروا سکے ایک فقرہ کے متعلق یہ ضرور کہا کہ حکیم صاحب کے تعلقات کا لحاظ کرتے ہوئے آپ کو یہ نہیں لکھنا چاھیئے تھا لیکن حاشا کہ کسی قسم کا ملال اس وقت بھی نہیں ہوا کیونکہ یہ معلوم تھا کہ اب آپ کا یہ اصول بن گیا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی کے اصول سے اختلاف تو ہوسکتا ہے لیکن اس سے ملال یا شکایت کوئی وجہ نہیں۔

آخر میں نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا، کہ آپ کو ہم لوگوں نے جس خلوص کے ساتھ اپنے سے قریب تر کرنے کی کوشش کی، اسمیں ہمیں ناکامی ہوئی لیکن اسکے باوجود ہمارے تعلقات انشاءاللہ جس حدتک ہیں قائم رہیں گے اور اس میں کبھی فرق نہیں آئے گا۔

یحییٰ

بہت مناسب خط ہے، کاش اس سے مکتوب الیہ کی زبان وقلم کو کچھ سبق حاصل ہو، اس تحریر سے میرے جذبات کیوں مجروح ہوں گے، میں تو خود مذہبی حیثیت سے اسی مسلک وخیال کا آدمی ہوں، جماعت اسلامی کی خوبیوں سے مجھے کبھی انکار نہیں رہا ھے اور نہ اسکے اور رد میں میں نے دیوبندیوں کے غلو کو کبھی پسند کیا ھے، حتی کہ اس معاملہ میں مجھے حکیم صاحب قبلہ کے بعض خیالات اور طرز عمل سے اختلاف رہا ہے، لیکن جماعت اسلامی کے ماننے والوں کے پیچھے ہمیشہ نماز پڑھتا ہوں۔

یحییٰ

۵۱۔

آپ کی داستان غم پڑھکر بیحد تکلیف ہوئی، میں بجز اس کے اور کیا عرض کرسکتا ہوں کہ اس معاملہ میں مجھے آپ کے ساتھ بڑی ھمدردی ہے۔

ایک عرصہ سے یہاں کے موجودہ حالات اور آپ کے متعلق میرے دل میں جو کچھ ہے کاش میں اسے آپ کے دل میں اتار سکتا لیکن اندیشہ ہے اتار نہ سکوں گا۔

آپ کو یاد ہوگا میں نے اس سے پہلے ایک بار آپ سے کہا تھا کہ یہاں کی صورت حال کو اچھی طرح سمجھکر ہر شخص کے متعلق ایک مستقل رائے قائم کر لیجئے اور اسی کے مطابق اپنا ایک محتاط طرز عمل رکھئے پھر نہ آپ کو کوئی تکلیف ہوگی اور نہ ان لوگوں کوئی شکایت۔

میرے نزدیک اب یہاں اپنی عزت، خودداری کی سلامتی اسی میں ہے کہ غیر متعلق دلچسپیوں سے بے نیاز ہوکر صرف اپنا منصبی فرض انجام یا جائے اور کسی سے کوئی ذاتی تعلق یا توقع نہ رکھی جائے۔

گورنر(۱) کا لنچ ہو یا چیف منسٹر کا ڈنر اگر اسکے قریب جانے سے اپنی خودداری مجروح ہوتی ہے تو خود اپنے ذوق تماشا کا خون کر دینا نہیں چاھئے،

میں نے پیہم تجربات سے فائدہ اٹھا کر اور خوب سوچ سمجھکر اپنا جو ایک طرز عمل قائم کرلیا ہے اس میں بڑی عافیت محسوس کرتا ہوں اور الحمد للہ اس طرح کے احساسات سے بے نیاز ہوگیا ہوں،

گورنر کی آمد کی تقریب میں یہاں سارے اہتمام ہوتے رہے لیکن میں کسی سے زبانی بھی کوئی دلچسپی نہ لی۔

چیف منسٹر کی دعوت عام میں شرکت سے بار بار انکار کرتا رہا اور پیہم اصرار کے بعد بادل ناخواستہ شریک ہوا۔

---

(۱) اکبر علی خان، گورنر اتر پردیش

گورنر تشریف لائے تو صرف چند منٹ کے لئے گیا اور اگر یہ معلوم ہوتا کہ وہاں اسقدر قدغن ہے تو یہ چند قدم بھی نہ اٹھتے اور آئندہ انشاء اللہ اتنا بھی نہ ہوگا،

میں یہ کیسے کہوں کہ آپ بھی یہی طریقہ اختیار کیجئے تو انشاء اللہ محفوظ و مامون رہیں گے۔

یحییٰ

۵۱۔

آج شام کو یہاں بادل ناخواستہ آنا ہے، میں نے ہر چند معذرت کی مگر صباح الدین صاحب کا اصرار قائم رہا اسلئے محض انکی ناراضی کا خیال ہے آنا طے کرلیا ہے، مجھے ایک تکلیف بھی دی، اسلئے اور بھی کوفت ہو رہی ہے

آپ کب آئیں گے؟

یحییٰ

۵۲۔

خلیل الرحمان اعظمی کا مضمون پڑھنے کا اشتیاق ہے اس لئے مجھے اس پرچہ کی تلاش ہے،

عزیزی عبدالعلی (۱) کو ضرور بھیجد یجئے گا، میں نے ایک روز ان کو بہت سمجھایا تھا اور ان کے طرز عمل سے مجھے محسوس ہوا کہ ان پر اس کا اچھا اثر بھی پڑا لیکن اس کے بعد پھر شاید وہ امتحان میں مشغول ہو گئے اور بے ضرورت میرے پاس نہ آسکے حالانکہ ایک روز میں نے ان کے امتحان کی خیریت دریافت کرنے کے لئے شفیع احمد صاحب کے یہاں سے ان کو بلوایا تھا لیکن شاید وہ موجود نہ تھے۔

میرا خود جی چاہتا ہے کہ اگر وہ کبھی کبھی مجھ سے ملتے رہتے تو میں انھیں سمجھاتا اور اصلاح

---

(۱) صاحبزادہ ابوعلی

افزائی میں متعدد نظمیں لکھیں۔ افسوس کہ مجھے اُن میں سے کوئی بھی باوجود کوشش کے دستیاب نہ ہوسکیں۔

یحییٰ کو نہرو اور آزاد کی سیاسی اور تہذیبی دوستی سے بھی بڑا لگاؤ تھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ دونوں کی تعریف و توصیف میں وقتاً فوقتاً نظمیں لکھتے رہے۔ نہرو کی وفات کے بعد جب مسز اندرا گاندھی وزارت عظمیٰ کے اہم عہدہ پر فائز ہوئیں تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ مسز گاندھی پر بھی ان کی متعدد نظمیں ہیں جن میں بیشتر، نیا دور لکھنؤ اور ماہانہ آجکل، دہلی میں چھپی بھی ہیں مگر میرے خیال میں یحییٰ کا بہت سا کلام غیر مطبوعہ رہ گیا اور جو مجھے باوجود کوشش کے اُن کے گھر والوں سے حاصل نہ ہوسکا اور صرف چند قطعات جو مسز گاندھی کی وزارتِ عظمیٰ کے زمانہ میں ہند و پاک کی دوسری جنگ (۱۹۷۱) کے موقع پر بنگلہ دیش کے وجود میں آنے پر مسز گاندھی کی سیاسی بصیرت اور جنگی مصلحت کی حمایت میں نظم ہوئے وہ نقل ہیں۔

ان قطعات میں مسز گاندھی کی عقیدت کے علاوہ ہندستانی فوجیوں کی دلیری، حوصلہ مندی پر اپنی انتہائی مسرت کے اظہار کے ساتھ ساتھ، پاکستانی رہنماؤں، کمانڈروں کی شکست اور خود پاکستان کے وجود پر یحییٰ اعظمی کی منظوم نکتہ چینی، اُن کی ملک فروشی اور پاکستان دشمنی کا بہترین اور بیّن ثبوت ہے، نہ معلوم یہ قطعات اُن کے تہذیبی دوست اور سیاسی حریف مولوی ابوالعلی، آصفی، اثری کی نظر سے گزرے یا نہیں جو نہ معلوم کتنا تڑپے، تلملائے اور بل کھائے ہوئے ہوں گے مگر کر بھی کیا سکے ہوں گے کیوں کہ وہ ہجرت نہ کر سکے اور مجبور و لاچار ہندوستان میں وہ سب دیکھنے پر راضی تھے جس کی مخالفت میں انھوں نے زندگی بھر اپنا پورا زورِ قلم صرف کر دیا تھا۔

اندرا گاندھی کے نام:۔۔۔۔۔۔۔

کرتی ہے تیرے عظمت و رفعت کا اعتراف دیتی ہے قوم تجھ کو یہ پیغام تہنیت
تو وہ عظیم مرتبہ خاتون ہے کہ آج پیہم ہے تجھ پہ بارش انعام مشیت

شہیدانِ وطن کے نام:۔۔۔۔۔۔۔

ہزاروں بار تبریک اے شہیدانِ وطن تم کو کہ تم نے مشہدِ ملت پہ جان قربان کردی ہے
ہے بخشا آب و رنگ تازہ خاک ہند نے تم کو دوبالا اس طرح اپنے وطن کی شان کردی ہے

حال کی طرف مائل کرتا اور مجھے یقین ہے کہ وہ میری باتوں کو ضرور سنتے اور مانتے رہیں گے۔

یحییٰ

۵۳۔ ابھی ابھی عزیزی ارشد علی (۱) کی شاندار کامیابی کی اطلاع ملی صدیقہ کی اس سے پہلے مل چکی تھی،

میری طرف سے مبارکباد قبول فرمائیے۔

یحییٰ

۵۴۔ میں اپنی قلبی اور ماغی کیفیت آپ سے کیا عرض کروں کچھ دنوں سے طبیعت کچھ ایسی افسردہ ہوگئی ہے کہ دنیا کی کسی چیز سے دلچسپی باقی نہیں رہ گئی ہے،

آپ نے فرمائش کی برابر فکر ہے لیکن یقین کیجئے کچھ بن نہیں پڑ رہا ہے اور اس وقت کسی تازہ اور معیاری نظم کا تصور بھی مشکل ہے، سوچا تھا کہ کچھ لکھدوں گا مگر ممکن نہ ہوسکا۔

یحییٰ

۵۵۔ افتخار صاحب نے مجیب اللہ صاحب کے متعلق جو کچھ لکھا تھا اس کو دیکھنے کے لئے میں نے وہ خط آپ کے پاس بھیجا تھا،

میں نے ان کو لکھدیا ہے کہ آپ جب کبھی اعظم گڈھ آئیں گے تو ان کی درد بھری کہانی کہ حقیقت سنیں گے۔

عین الحق (۲) صاحب کے خط کا حال مجھے نہیں معلوم تھا، یہ انکشاف بھی دلچسپ ہے،

یحییٰ

قطعات لکھدوں گا لیکن آپ کی رائے معلوم ہونے کے بعد طبیعت وہیں رک گئی بہت

---

(۱) صاحبزادہ ابوعلی

(۲) مشہور تاجر، مدرسہ اسلامیہ اور شہر کے مذہبی امور میں غیر معمولی دلچسپی والے، درے، قدے اور سخنے ہر قسم کی سرپرستی، حکیم الحق کے قریبی احباب میں، وفات کانپور۔

شرمندہ ہوں کہ آپ نے ایک فرمائش بھی کی تو اس کی تعمیل نہیں ہو رہی ہے اور آپ سے زیادہ عزیزی عبدالعلی کا خیال ہے لیکن اس سے تسکین ہے کہ اس مجبوری کو آپ ہی سمجھ بھی سکتے ہیں۔

اب صرف ایک ہی شکل ہے اگر آپ پسند کریں تو سہرے کے کچھ اشعار ادھر ادھر سے مرتب کر کے اور انھیں نیا کر کے پیش کر دوں، اگر وہ پڑھنے کے قابل ہوں تو پڑھے جائیں ورنہ ضائع کر دئے جائیں مجھے اس کا کچھ بھی خیال نہ ہوگا،

دعوت نامہ تو واقعتاً آپ مجھ سے بہتر لکھ سکتے ہیں لیکن اگر آپ اپنا نہیں لکھنا چاہتے تو ایک رف لکھ کر جس میں پورا پروگرام طعام ولیمہ اور شرکت بارات سے متعلق ہو، میرے پاس بھیجد یجئے تو میں اسے اپنے طور پر لکھ دوں گا۔

ایک بات اور کہہ دوں حکیم عبدالباقی نامی بہت اچھا سہرا لکھتے ہیں اگر آپ اجازت دیں تو میں خود ان سے فرمائش کروں، اس عرصہ میں میں بھی کوشش کرتا رہوں گا اگر کامیابی ہوئی تو انشاءاللہ پیش کروں گا۔

یحییٰ

۱۔۵۵ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی سلام مسنون بہ تقریب عقد عزیزی عبدالعلی سلمہ

بتاریخ:۔ بہ وقت شب ما حضر قبول فرما کر رہین منت فرمائیں۔

گھر اپنا چمک جائے جو فیضان قدم سے
کچھ دور نہیں آپ کے آئین کرم سے

فارسی کے دو مصرع بھی پیش نظر تھے۔

نیازے پیش کش آوردہ ایم ای کاش بپذیری تہی دستم مگر این عرض من باشد کہ بپذیری

۲۔۵۵ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم و مکرم سلام مسنون

۲۴ نومبر کو عزیزی عبدالعلی کا عقد ہے اس سلسلہ میں نومبر بروز بوقت طعام ولیمہ کی تقریب ہے، امید ہے کہ تشریف لاکر ماحضر قبول فرمائیں گے۔

اسامہ کی صحت کی رفتار سے بڑی خوشی ہوئی لیکن غذا میں ابھی بڑی احتیاط کی ضرور ہے، میں اتوار کو گیا تھا اور گھر میں عبدالحی (۱) سے اسکی بڑی تاکید کردی تھی، ماجدہ (۲) کو دیکھ کر تکلیف ہوئی، واقعی وہ بہت دبلی ہوگئی ہے، عبدالحئی (۳) سے معلوم ہوا کہ حکیم صاحب نے اسے دیکھا ہے اور دوا جاری ہے، اگر پھر دیکھنے کی ضرورت ہوتو میں حکیم صاحب سے کہوں بہرحال آج شام کو حکیم صاحب سے اسکی موجودہ صحت کے متعلق پوچھوں گا۔

خدانخواستہ آپ کو کیا مصیبت پیش آ گئی ہے، تنخواہ تو بہرحال آج سے کل تک مل جائے گی، اسکے علاوہ بھی اگر میرے لائق کوئی خدمت ہوتو بے تکلف فرمایئے، یہ آپ نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ جگناتھ (۵) کی نظم کا جواب ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے ہونا چاہئے کیونکہ اس نظم میں مخاطب وہی ہیں، شاہ صاحب نے پاکستان کے مسلمانوں کو جب اس طرف توجہ دلائی تھی تو مجھے حیرت ہوتی تھی افکار و تردات کی کثرت نے میرا تو احساس شعری بھی ختم کردیا ہے ورنہ میں اسکی کوشش کرتا۔

یحییٰ

۵۶۔

کل شام کو آپ کی تحریر ملی پرسوں عزیزی عبدالعلی سے بیشک حافظ صاحب کے بیانات پر میں نے اپنے اور حکیم صاحب نے تاثرات نہایت درد اور افسوس کے ساتھ ظاہر کئے تھے، جس طرح آپ کو ہم لوگوں کے بہت سے خیالات سے اختلاف ہے اسی طرح مجھے بھی آپ کی اس تحریر کے اکثر حصہ سے اختلاف ہے، بھلا کون کہہ سکتا ہے کہ یہ بیان حافظ ایوب کے زور فکر و قلم کا

(۱۔۴) یہ تمام نام ابوعلی کے خاندان کے افراد ہیں

(۵) پروفیسر جگناتھ آزاد ماہر اقبالیات شاعر اور محقق، نقاد)

نتیجہ ہے اور اس کے ایک ایک حرف کی ذمہ داری ان پر ہے، خیالات اور نوٹس تو بیشک ان کے ہو سکتے ہیں لیکن یہ زور استدلال اور زور قلم انکے بس کی بات نہ تھی یہی وجہ ہے کہ ہر صاحب نظر یہ کہہ رہا ہے کہ آپ ہی کا مضمون ہے،

ادھر کچھ دنوں سے آپ سے ملاقات نہیں ہوئی، اس کا سبب خدانخواستہ کوئی ذاتی اثر یا قومی ملال نہیں ہے، بلکہ کچھ تو تنہائی کی وجہ سے میں دفتر میں مشغول رہتا ہوں اور دوپہر کو آنے کا موقع نہیں ملتا اور کچھ آجکل طبیعت بھی افسردہ ہوگئی ہے کہ کم آمیزی اور گوشہ نشینی ہی میں زیادہ عافیت معلوم ہوتی ہے۔

جمیعۃ کی انتخابی نزاع کے مسئلہ میں سابقہ جمیعۃ کی طرف سے جو کچھ ہوا، یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اس ہر جزو سے ہم لوگوں کو اتفاق رہا ہو، ذاتی طور پر مجھے اسکی اکثر باتوں سے اختلاف تھا، اس سلسلہ میں میں نے اپنی ذاتی ذمہ داری پر بعض باتیں کیں جماعتی نظم وضابطہ کی رو سے سخت قابل اعتراض اور فریق مخالف۔

خیر اسے چھوڑئے اس سے زیادہ اہم معاملہ میرا ایک ذاتی ہے اور وہ میرے اور آپ سب کے لئے قابل غور ہے۔

کل عبدالحئی (۱) نے معلوم ہوا کہ فرید (۲) نے خود انکے سامنے میری نظم پر مجھے گالی دی ہے، جسے سن کر عبدالحئی برداشت نہ کر سکے اور ان کو سخت ڈانٹا اور چیلنج کیا کہ میں نظم لکھنے والے کا نام ظاہر کرتا ہوں دیکھوں آپ کیا کرتے ہیں عبدالحئی اس معاملہ کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں، اور میں بھی اس پر غور کر رہا ہوں۔

ہم لوگوں میں خواہ رائے اور خیالات کا کتنا ہی اختلاف ہو لیکن میں اور شاید آپ بھی اُسے برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی غیر ہماری توہین کرے۔

---

(۱) ابوعلی کے چھوٹے بھائی جو انتہائی کٹر کانگریسی اور شہر میں کانگریسی تحریکوں میں پیش پیش

(۲) شہر کے مشہور مسلم لیگی کارکن

حافظ ایوب (۱) نے جس وقت عبدالحئی کے ساتھ زیادتی کی تھی اور آپ بھی اسکی زد میں آ گئے تھے آپ کو یاد ہوگا کہ اس وقت مجھے کس قدر تکلیف ہوئی تھی اور اس معاملہ میں آپ لوگوں کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار تھا۔

نظم میں بجز ادبی طنزیات کے اور کیا ہے، نہ کسی کی شخصیت پر حملہ ہے نہ کسی کی ذات پر نہ کوئی غیر مہذب اور نامناسب لفظ جب فرید اس کو سمجھ نہیں سکتے تھے تو اس پر اظہار خیال کی کیا ضرورت تھی۔

''محفل رقص شرار کو ناچ گھر سمجھنے والوں کی جہالت اور کم علمی کا ماتم کن الفاظ میں کیا جائے: ''برین عقل و دانش بباید گریست''

سنا ہے مولوی عبدالباقی (۲) صاحب نے بھی اس کا یہی مفہوم سمجھا ہے۔

یحییٰ

۵۷۔ آپ کو میری نظم پسند آئی اس کا شکریہ حافظ شعیب (۳) صاحب کے خطوط واقعی بڑے دلچسپ اور پڑھنے کا قابل ہیں انھیں میں نے رکھ لیا ہے، کل واپس کروں گا، ایک خط میرے نام بھی ہے، غالباً آپ ہی نے بھیجا ہے، شاہ صاحب شعیب صاحب کی مناظرانہ گفتگو کی بارہا میں نے سنی ہے۔ مولوی صاحب برآمدہ میں بیٹھتے تھے وہ اکثر ان سے ملنے آتے ہیں اور اتفاق سے شاہ صاحب سے وہیں ملاقات ہوگئی ہے اور پھر گفتگو کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے، انکی اس تحریری صلاحیت کا مجھے بھی علم نہ تھا، اس خط سے پہلی بار یہ بھی معلوم ہوا کہ جیل بھی گئے ہیں اور سابرمتی جیسے تاریخی جیل میں یسین نوری (۴) کے متعلق بھی ان کا یہ انکشاف عجیب وغریب ہے، اور غالباً صحیح ہے، خود نوری انکی شہادت کے لئے کافی ہے، اس میں شبہ نہیں وہ اپنے سیاسی

---

(۱) مشہور مسلم لیگی لیڈر جو پاکستان بننے کے بعد کانگریسی ہوگئے

(۲) وکیل اور کٹر مسلم لیگی رہنما۔)

(۳) خیرآباد میں جمعیۃ العلماء اور کانگریس کے سرگرم کارکن

(۴) ممبر پارلمنٹ مہاراسٹر اور پارلمنٹری سکریٹری

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

عقیدہ میں بڑے سخت ہیں

۵۸۔

فرید سے علیک سلیک کے علاوہ ذاتی تعلقات تھوڑے سے مجھ سے بھی تھے، آپریشن کے زمانہ میں میں انھیں خاص طور پر مشن اسپتال دیکھنے گیا تھا، گھر پر بھی دو ایک مرتبہ اسی قسم کے موقعوں پر گیا ہوں،

آخر انھوں نے یہ بدتمیزی کیوں کی؟

اس معاملہ میں حافظ ایوب کے اخلاق کا میں معترف ہوں کہ انھوں نے کبھی بھی معمولی اخلاق وآداب میں کمی نہیں کی، آج بھی انکا یہ طرز عمل قائم ہے۔

یحییٰ

۵۹۔ ان کی لن ترانیاں میں نے دلچسپی سے پڑھیں، عجیب وغریب آدمی ہیں انکی طبیعت کا اندازہ بس صرف ایک واقعہ سے کرلیجئے جو میں نے الطاف (۱) کی آمد کے سلسلہ میں بیان کیا تھا،

مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ عبدالحکیم (۲) صاحب ان سے اس قدر بیزار ہیں، معلوم ہوتا ہے انہوں نے انکو اچھی طرح پہچان لیا ہے، ان کا ایک واقعہ اور بھی بہت دلچسپ ہے جو مجھ سے متعلق ہے کبھی سناؤں گا۔ چٹان کا عید نمبر مجھے نہیں ملا تعطیل میں آیا ہوگا اور کتب خانہ میں چلا گیا ہوگا۔

یحییٰ

۶۰۔ آپ کو ایک زحمت دے رہا ہوں، امید ہے آپ میری خاطر سے اسے منظور کرلیں اور یس (۳) صاحب مدرسہ اسلامیہ کی روداد شائع کرنا چاہتے ہیں اسکے لئے انھوں نے ماسٹر اشفاق

---

(۱) دارالمصنفین کے دفتری کارکن

(۲) استاد شبلی کالج، جماعت اسلامی کے اکابر شہر میں۔

(۳) انگلش آفس شہر اعظم گڑھ کے ہیڈ، ایمانداری اور صلاحیت کے لئے مشہور کہ افسران اُن کی عزت کرتے تھے، مدرسہ اسلامیہ کے سرگرم سرپرست اور حکیم الحق کے مخلص ترین احباب میں۔

(۱) سے یہ چند سطریں لکھوائی ہیں، آپ چونکہ مدرسہ کی تاریخ اور اس کے عہد بہ عہد کے حالات وکوائف سے واقف ہیں، اسلئے مہربانی کر کے اس تحریر میں مناسب ترمیم واصلاح اور جہاں جہاں ضرورت ہو اضافہ کر کے اسے مکمل ومرتب کر دیجئے، میں بیحد شکر گزار ہوں گا۔

والسلام

یحییٰ

مدرسہ کی روداد سے متعلق آپ کے قلم کی یہ تحریر اور اصلاح بہت پسند آئی اس میں مدرسہ کی گذشتہ تاریخ اسکی دینی وتعلیمی خدمات اور خصوصیات روایات سب آ گئی ہیں اس زحمت فرمائی کا بہت بہت شکریہ اب میں آج شام کو اسے ادریس صاحب کو دیدوں گا۔

یحییٰ

۶۱۔

آپ کے فنڈ کی رقم ۲۱۳۳ تھی اس میں سے آپ نے ۵۰۰ سے لئے اب ۱۶۳۳ باقی رہ گئی ہے۔

مشھود کے فنڈ کی رقم ۲۹۴ ہے۔

یحییٰ

۶۲۔ آج دفتر میں روپئے نہیں ہیں، کل انشاء اللہ یہ ہوئے تو ضروری دیدوں گا، آپ نے پرسوں بھی کچھ روپئے مانگے لیکن میں مجبوراً نہ دے سکا، اس کے علاوہ اگر کچھ اور روپیوں کی ضرورت ہو تو لکھئے انشاء اللہ دینے کی کوشش کروں گا، آپ کی زندگی کی تلخیوں اور پریشانیوں کو کبھی کبھی یاد کر کے مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے لیکن یہاں کے معاملات میں کس کا کیا اختیار ہے۔

رمضان سے قبل آپ کے بارہ میں شاہ صاحب سے مجھ سے ایک گفتگو ہوئی تھی بلکہ میں نے ہی ایک تجویز ان کے سامنے رکھی تھی جسے انھوں نے بہت پسند کیا اور فرمایا کہ بعینہ یہی

---

(۱) مدرسہ اسلامیہ کے مدرس، جوانی میں انتقال ہو گیا

بات میرے ذہن میں بھی آئی ہے رمضان کے بعد میں اسکے لئے پھر انھیں یاد دلاؤں گا۔

یحییٰ

اگر روپئے کی آج ہی ضرورت ہو تو لکھئے میں وقف سے دیدوں

۔۶۳

یہ فقرہ آپ کے اس غیر متوقع پیام کا جواب تھا

یہ ان سے پوچھنا ہر شخص کو پیشگی لینے کا حق ہے یا نہیں یہ واقعہ ہے کہ آپ بہت کم پیشگی لیتے ہیں اسلئے میرے نزدیک آپ بہ وقت ضرورت سب سے زیادہ اسکے مستحق ہیں اور حتی المقدور میں نے تعمیل ارشاد میں کبھی کوتاہی نہیں کی اسکے باوجود آپ کے اس پیام کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا،

آج بھی دفتر میں روپیہ نہیں ہے لیکن میں کسی اور حساب سے انشاء اللہ آپ کو دوں گا۔

یحییٰ

۶۴۔ ادھر میری صحت بھی کچھ خراب ہوگئی ہے اور باقاعدہ دوا کا سلسلہ جاری ہے اسی لئے آجکل دوپہر بعد گھر چلا جاتا ہوں، صدیقہ کی صحت کے بارے میں کئی بار خیال آیا کہ آپ سے پوچھوں لیکن چونکہ دوپہر بعد چلا جاتا ہوں اسلئے موقع نہ مل سکا،

مولوی (۱) صاحب قبلہ سے میں نے گفتگو کر لی، وہ نہایت خوشی سے تیار ہیں اب آپ بتائیے کہ کتنے روپئے کی ضرورت ہوگی تاکہ میں جلد سے جلد انتظام کروں۔

یحییٰ

۶۵۔ آپ کا رقعہ جب آیا تو میں نے مشہود (۲) کو آپ کے پاس بھیجا کہ وہ جاکر آپ کو مطمئن کردیں کہ یہاں کسی نے آپ کا خط نہیں پڑھا اور نہ شمیم (۳) سے اسکے متعلق کوئی گفتگو کی،

---

(۱) مولانا مسعود علی ندوی ندوی ناظم دارالمصنفین

(۲) کارکن دارالمصنفین دفتر

(۳) کارکن دارالمصنفین دفتر

مولوی صاحب نے میری یہ گفتگو سن لی اور مشھود کو بلا کر پوچھا کہ کیا بات ہے، مشھود کو مجبوراً کہنا پڑا کہ مولوی عبدالباری صاحب کا یہ رقعہ آیا ہے اونھوں نے رقعہ لے لیا اور مشھود کو آپ کے پاس جانے سے سختی سے روکا پھر بھی میری ہدایت پر وہ ۱۲ بجے کے بعد آپ سے ملے،

اس کی اطلاع شمیم نے مولوی صاحب کو کردی، جس پر وہ مشھود پر بیحد خفا ہوئے اس میں مشھود کا کوئی قصور نہیں ہے۔

یحییٰ

۶۶۔ میں آپ کا تھوڑا سا قیمتی وقت لینا چاہتا ہوں اور اس زحمت فرمائی کے لئے بیحد شکر گزار ہوں گا، مگر شرط یہ ہے کہ بہ طیب خاطر آپ اسے منظور کرمائیں،

یحییٰ

۶۶۔ عزیزی ارشاد(۱) سے رخصتی ملاقات نہ ہونے کا افسوس ہے، خدا کرے وہ بخیریت پہونچ جائیں۔

عبدالعلی کے لئے آپ نے سید حسن (۲) صاحب سے ملاقات کی تھی یا نہیں اگر نہ کی ہو تو کر لیجئے، ممکن ہے انکے ذریعہ کوئی صورت نکل آئے،

دفتر میں روپیہ نہیں تھے، ڈاک کا انتظار ہے، اگر روپیہ نہ آیا جب بھی انشاء اللہ کہیں سے دوں گا ۱۲ بجے تک۔

یحییٰ

۶۷۔

ارشاد کا خط پڑھکر میں بہت متاثر ہوا، اسکی اکثر تعریفیں سنی تھیں لیکن اس حد تک اسکی دانشمندی اور فراست کا قطعاً یقین نہ تھا،

---

(۱) ابوعلی کے بڑے صاحبزادہ، مقیم کراچی پاکستان

(۲) ڈپٹی کلکٹر، داماد سید سلیمان ندویؒ

نوجوانانِ وطن کے نام:۔۔۔۔۔۔۔

صف اعدا ہوئی سپر انداز آفرین تم کو ہند کے جان باز
سرخ رو ہے تمھارے دم سے وطن سر فروشو ! تمھاری عمر دراز
ساری ملت کو فخر ہےتم پر
تم ہو ہندوستان کے مایۂ ناز

(ا) دکھائی جوانوں نے وہ ترک تازی نیازی نہ کچھ کام آئے نہ غازی
ہزیمت مقدر تھی قسمت میں اُن کی خدا نے جو بخشی تمھیں سرفرازی
یہ غازی فقط نام کے ہیں مسلمان
کہاں ان میں اسلام کی پاکبازی

دعائیں ان جوانانِ وطن کی نوجوانی کو جنھوں نے بڑھ کے اپنی سرحدوں کی پاسبانی کی
جواں مردی سے دی ہر ہر قدم پر داد جانبازی صفِ اعدا پہ ہر اک سمت سے آتش فشانی کی

بیت

وطن کے نوجوانوں نے دکھائی ہے وہ جانبازی کہ میداں چھوڑ کر بھاگے ہیں پاکستان کے غازی

قدرت کا انتقام:

ہوئی ہے اس طرح جو لشکر اعدا کی پامالی ہیں قدرت کی طرف سے یہ سزا ہائے بداعمالی
نظر آتی ہے جو اس سرزمینِ پاک میں ہم کو کہاں ہے آج اسلامی شرف کی یہ زبوں حالی
ہے اوّل روز سے اُمّ الخبائث ان کی گھٹی میں نہیں ہے کوئی جام ان کا شرابِ ناب سے خالی
ازل سے ہے شرابِ زندگی شربِ مدام اُن کا رہینِ جام ہے ان کا فروغِ عیش وخوش حالی
مسلماں ہیں یہ لیکن ان کی اسلامی شریعت میں یہ سندھی ہے وہ پنجابی، یہ آسامی ہے وہ بنگالی
تمھیں اللہ کا قانون کیونکر بخش سکتا ہے
کہ تم نے دین کی عظمت کی اِک اِک شے مٹا ڈالی

عبدالعلی کی انتہائی خوش قسمتی ہے کہ ان کو ایسا شفیق اور جاں نثار بھائی مل گیا، اسکی باتوں میں کتنی گہرائی اور اسکی نصیحتوں میں اسکے دلی اخلاص ومحبت کا کتنا پاکیزہ جذبہ کارفرما ہے۔

صدیقہ کی بیماری کا واقعی ہم لوگوں پر بڑا اثر ہے، خدا کرے اسکو وہ بیماری نہ ہو اور وہ جلد اچھی ہو جائے، اب تو ڈاکٹر صاحب ہی کے مشوروں پر عمل کرنا ہے، اس کا نمپریچر آج ہی سے لینا شروع کر دیجئے، تھرمامیٹر حافظ حمید(۱) صاحب کے پاس شاید ہو ان سے لے لیجئے، ان کے پاس نہ ہو تو افتخار کے یہاں سے منگوا لیجئے، وہ دیدیں گے، ذرا احتیاط سے رکھئے گا، بڑی نازک چیز ہے۔

صدیقہ کے ڈاکٹر علاج کے سلسلہ میں میں نے ایک بات سوچی ہے آپ سے کہوں گا آپ اسے مان لیجئے گا۔

یحییٰ

۶۹۔

صدیق(۲) صاحب نے کئی روز کے بعد اس گفتگو کا ذکر مجھ سے کیا اور اپنا یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ سعید انصاری صاحب یا حافظ حمید صاحب کے یہاں رشتہ ہو جائے تو بہتر ہے، میں نے اس معاملہ میں کوئی مشورہ نہیں دیا بلکہ یہ کہا کہ اگر امین کے یہاں آپ لوگوں کو منظور نہیں ہے تو مولوی عبدالباری صاحب سے ہی دریافت کیجئے کہ محلہ میں آپ کے معیار وشرائط کے مطابق کہیں اور اس رشتہ کا امکان ہے یا نہیں، اسکے جواب میں آپ نے شاید خاموشی اختیار کی اسلئے کل انہوں نے مجھ سے رقعہ لکھوا کر حافظ حمید صاحب کو بلوایا اور ان سے مفصل گفتگو کی۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس معاملہ حافظ حمید صاحب کا کوئی قصور نہیں اس سے پہلے وہ بالکل بے خبر تھے، صدیق صاحب نے ان کو بلوایا اور اپنی طرف سے اس رشتہ کی پیشکش کی اور اس میں

(۱) مشہور کانگریسی مدرسہ اسلامیہ کے سرپرستوں اور حکیم اسحٰق کے مخصوص حلقۂ احباب میں، مالک ہمدرد ایجنسی، اعظم گڑھ

(۲) دارالمصنفین کے پریس انچارج

پوری دلچسپی لی، حافظ حمید صاحب پریشان تھے ہی اونہوں نے بھی مزید گفتگو کی اجازت دیدی، اب دیکھئے ہوتا کیا ہے؟ حافظ صاحب کے گھر کے لوگوں کو یہ رشتہ پسند بھی ہوتا ہے یا نہیں۔

یحییٰ

۷۰۔ آپ کی رخصت سے اس کا اندازہ ہوا تھا کہ شاید صدیقہ کی رخصتی ہونے والی ہے، اللہ تعالیٰ اسے اپنے نئے گھر خوش وخرم اور تندرست رکھے اور وہاں کی زندگی اسکے لئے سازگار ہو، لڑکیوں کے لئے ماں باپ کی جو تمنائیں ہیں ان کا احساس وہی کر سکتے ہیں جنکی خود لڑکیاں ہوتی ہیں، اس معاملہ میں میرے احساسات بڑے ہی نازک ہیں،

کلام مجید آ گیا ہے، کیا آپ اسکی کوئی جلد لیں گے، ہدیہ ۶ - روپیہ سے۔

یحییٰ

۷۱۔ نوید کے متعلق میں نے ابھی ابھی عتیق (۱) سے بالکل ذاتی طور پر کہا ہے انشاء اللہ کل ضرور چھپ کر آپ کو مل جائیگا اطمینان رکھیں،

آپ نے میری بچیوں کا ذکر جس دلسوزی اور خلوص ومحبت سے کیا ہے اس سے میں بیحد متاثر ہوا اور میری آنکھ سے آنسو نکل آئے یقیناً مجھے اپنی بچیوں سے بڑا انس ہے، اور میں نے ان کے لئے جو کچھ کیا ہے، وہ کم باپ اس محدود آمدنی میں کم کر سکتے ہیں۔

انکے لئے مناسب اور اپنی پسند کے مطابق رشتے کی تلاش میں جو خون جگر کھانا پڑا ہے اسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے، خدا کا شکر ہے بڑی تلاش وجستجو کے بعد یہ رشتے مل گئے اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ انھیں انکی آئندہ زندگی کے لئے مبارک فرمائے اور وہ اپنے اپنے گھر خوش رہیں اسی میں ہماری خوشی ہے۔

مبشرہ (۲) اب خدا کے فضل سے بالکل اچھی ہیں لیکن اسکی طرف سے ابھی میں پورے

---

(۱) کارکن دارالمصنفین پریس اور کاتب

(۲) یحییٰ اعظمی کی دوسری صاحبزادی

طور پر مطمئن نہیں ہوں اور فکرمند رہتا ہوں،

میں اپنے دل کا حال کسی سے نہیں کہتا اور یہ نہ کہنے کی بات ہے لیکن مجھے اس کا غم رہا کرتا ہے کہ میں دنیا کا بدقسمت ترین انسان ہوں۔

یحییٰ

۷۲۔ میرا بچہ(۱) واقعی بہت دبلا، مریض اور کمزور ہے، ادھر ایک مہینہ سے بیمار ہے، اسلئے اور بھی کمزور ہو گیا ہے،

جدید طرز کے لئے ایسے مرکب نام مجھے کچھ زیادہ پسند نہیں ہیں، اسمیں صرف نام کا ایک حصہ زبانوں پر چڑھتا ہے اور دوسرا حصہ نظر انداز ہو جاتا ہے اسطرح کے مرکب نام میرے ذہن میں بھی آئے تھے،

حسن حیات، شاہد حیات، لیکن انمیں وہی نقص ہے، ناموں کے معاملہ میں میرا مذاق اسلامی ہے لیکن اس کے ساتھ ندرت اور روانی کی شرط ضروری ہے پامال ناموں سے مجھے سخت نفرت ہے۔

بلاشبہ اس میں آپ کو خاص ملکہ حاصل ہے، آپ پھر سوچکر بتایئے گا لیکن نام مفرد اور رواں ہونا چاہئے اور اسکے ساتھ آپ کی رعنائی فکر کا بھی کچھ عنصر میں اسمیں شامل ہو تو کیا کہنا گو میرا بچہ اس قابل نہیں، بہرحال میں چاہتا ہوں کہ دو ایک روز میں ضرور اسکا کوئی نہ کوئی نام ہو جائے، مجھ سے روز اس کا تقاضا رہتا ہے۔

یحییٰ

۷۳۔ تقریب کی روداد پڑھکر خوشی ہوئی، جہاں تک میری عدم شرکت کا تعلق ہے بے شبہ اس کا سبب عبدالحئی کا طرز عمل ہے، یہ واقعہ ہے کہ آپ جتنی میری عزت کرتے ہیں اس کا دسواں حصہ بھی ان کی نگاہ میں میری وقعت نہیں میرے یہاں وہ شریک نہ ہوتے خیر لیکن اگر وہ مجھے اپنا بڑا

---

(۱) شاہد کلیم، اُستاد شبلی انٹر کالج

سمجھتے تو اپنی بچی کی تقریب میں شرکت کے لئے ایک دن تو میرے یہاں آ گئے ہوتے اور زبانی کہدیا ہوتا لیکن بھلا میں کب اس کا مستحق تھا۔

مجھے حمیرا(۱) انکے بچے، بچیوں، ماجدہ، عذرا سب سے بیحد محبت ہے اور سب کو اپنی مرحوم بہن کی یادگار سمجھتا ہوں لیکن عبدالحئی کے طرز عمل سے مجھے اکثر شکایت رہی ہے اور اب بھی ہے بہن تو اب زندہ نہیں ان کا وجود ایک مسئلہ حیثیت رکھتا ہے اس لئے ان سے متاثر ہونا ناگزیر ہے۔

آپ کی قدردانی اور خلوص کی میرے دل میں بڑی قدر ہے اور میں لوگوں سے اور اپنے گھر میں ہمیشہ اس کا اظہار کرتا رہتا ہوں، میرے گھر کے لوگ بھی آپ کے بڑی عزت کرتے ہیں۔

امید ہے میرے متعلق آپ کو بھی کوئی غلط فہمی نہ ہوگی

والسلام

یحییٰ

۴۷۔ جی ہاں بہنوں میں آخری بہن بھی رخصت ہوگئیں تیسرے سال آپ کے ساتھ میلاد میں جب ہم لوگ گئے تھے اس وقت ملاقات ہوئی تھی عرصہ سے بیمار تھیں، لیکن چل پھر لیتی تھیں، ادھر ایک ہفتہ سے زیادہ بیمار ہوگئی تھیں، افسوس ہے میں انکو دیکھنے نہ جا سکا، کل صبح انتقال کی خبر ملی تو اسلم (۲) صاحب کے ساتھ چلا گیا، حافظ حمید صاحب اور مجید بھائی (۳) (وغیرہ یکہ سے گئے اور شام تک سب لوگ لوٹ آئے یونس (۴) بھی آ گئے تھے۔

یحییٰ

---

(۱) یحییٰ اعظمی کی بھانجیاں

(۲) مالک انصاری دواخانہ

۳) مدرسہ اسلامیہ کے معاون

(۴) مالک انصاری دواخانہ

۷۵۔

تعجب ہے اتنے غیر معمولی اوصاف کے باوجود آپ ان کو ایسا سمجھتے ہیں ان میں سے بعض خوبیاں تو ایسی ہیں جن کا اجتماع کسی ایک بیوی میں واقعی معجزہ سے کم نہیں، ویسے گھریلو زندگی میں تو عموماً شوہر اور بیوی میں ہر جگہ کچھ نہ کچھ شکر رنجی ہو ہی جاتی ہے۔

مچھلی کی آیندہ کی دعوت کا پیش از پیش شکریہ لیکن آجکل حالات ایسے نازک ہیں کہ بغیر کسی خاص تقریب کے اس طرح کا اقدام اصراف میں داخل ہے اس لئے اس کا ارادہ ہرگز نہ کیجئے گا۔

اور میں تو حکیم صاحب قبلہ کے ساتھ انکے ہاتھ کی پکی ہوئی مچھلی کھا چکا ہوں اور گھر پر اسکی تعریف کر چکا ہوں، واقعی بہت اچھی مچھلی پکاتی ہیں اور بہت پسند آئی تھی،

انکی نغمہ سرائی کا وصف تو بالکل ہی عجیب وغریب ہے اور غالباً آپ کے احباب اور معاصرین کی ساری بیویاں اس سے محروم ہیں، ماشاءاللہ بڑے اوراوصاف رکھتی ہیں۔

۷۶۔

میں نے تعلقات کی بنا پر شرکت نہیں کی تھی، اور پھر آپ سے میرے تعلقات کیا کم تھے، آپ یقین کیجئے میں نے تین مرتبہ ان سے معافی مانگی اور ہر بار آپ کی بارات میں شریک نہ ہونے کا حوالہ دیا اور انھوں نے مجھے بہ طیب خاطر معاف بھی کرایا تھا، لیکن آخر میں لڑکوں نے جس میں چھے پیش پیش تھے ایسا مجھے پکڑا کہ میں بالکل مجبور ہوگیا اور اسکے بعد زیادتی ہوتی اگر میں نہ جاتا پھر بھی راستہ بھر مجھے آپ کا خیال رہا کہ آپ کو کیا جواب دوں گا، اس سلسلہ میں ایک اور خوشی کی بات یہ ہوگئی کہ ایک مدت کے بعد رفیق (۱) سے بھی تعلقات خوشگوار ہو گئے۔

یحییٰ

الف رات کی پر تکلف اور پر خلوص دعوت سے طبیعت بہت خوش ہوئی، اور اس سے زیادہ

---

(۱) تحریک خلافت کے سرگرم رکن

آپ کی بیوی کی خوشی سلیقگی اور ہنرمندی سے متاثر ہوا کہ انھوں نے اس شدید موسم میں تنہا اتنے اچھے کھانے پکائے اور ہم لوگوں کی ضیافت کی، میری طرف سے خاص طور پر اس کا شکریہ ادا کر دیجئے۔

گھر آ کر میں نے ان کی بڑی تعریف کی میرے گھر میں پہلے ہی سے انکی نیکی، محبت اور ھمدردی کی بڑی قائل ہیں، اچھا ہوا آپ نے افتخار(۱) صاحب کے شایان شان ایک پرتکلف دعوت کردی، یقین ہے وہ بھی اس سے متاثر ہوتے ہونگے، خدا کرے اچھی ہو، رات اس کا بھی بار بار خیال آتا رہا اور حافظ حمید صاحب کی اس جس سے آپ کو اسقدر تکلیف ھے۔

یحییٰ

۷۷۔

آپ کو یہ سن کر رنج ہوگا میں شفیق کی بارات میں شریک ہوا لیکن اگر آپ اسکی تفصیل سنیں گے تو انشاء اللہ آپ کا دل صاف ہوجائے گا اس وقت میں ذرا مصروف ہوں پھر میں آپ سے ملوں گا اور حال عرض کروں گا۔

۷۸۔ اس خبر سے بیحد خوشی ہوئی کہ عبدالحئی کو اس صورت حال کی اہمیت کا احساس ہوا، اور وہ اس سلسلہ میں ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں مجید صاحب کے اس طرز عمل سے ان کی نیت کے متعلق شبہ ہو رہا ہے لیکن عبدالحئی کو چاہیئے کہ وہ اب ان کو لیت ولعل کا بالکل موقع نہ دیں اور جو کچھ کرنا ہو کر ڈالیں، مجھے امید ہے ان کی تگ ودو انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوگی ایک روز یوسف صاحب سے ملاقات ہوگئی وہ مجھے دیکھنے آئے تھے، وہ اس معاملہ میں ہر ممکن مدد دینے کو تیار ہیں کاش عبدالحئی حافظ حمید اور اسلم صاحب کے ہاتھ انکو بھی گفتگو میں شریک کر لیتے۔

حاجی عین الحق صاحب کے متعلق زبانی گفتگو ہوگی۔

یحییٰ

---

(۱) افتخار اعظمی مرحوم

۷۹۔ کیا کہوں کل رات بھر مجھے کس قدر تکلیف رہی اور اس کا میری موجودہ بیماری اور صحت پر کس قدر شدید اثر ہے، میری طبیعت سے احساس کا بھی عجیب حال ہے،

اس واقعہ سے زیادہ اب اس بات سے تکلیف ہے کہ فرط تاثر میں میں اپنے اس صبر وضبط کو قائم نہ رکھ سکا جس کا میں نے عہد کرلیا تھا اور اس حالت اضطرار میں میری زبان سے بعض ایسی غیر شریفانہ باتیں نکل گئیں جس پر میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف کردے اور آپ سے بھی گذارش ہے کہ آپ میری اس امانت کو اپنے سینہ میں ہمیشہ محفوظ رکھیں اور کسی حالت میں اسے اپنی زبان پر نہ لائیں۔

آیندہ انشاء اللہ میں اپنے اس عہد پر قائم رکھنے کی پوری کوشش کروں گا،

حالت اضطرار میں ایک بات مجھ سے اور سرزد ہوگئی کہ میں نے اپنی اس تکلیف کو ایک صاحب سے بیان کردیا۔

والسلام یحییٰ

۸۱۔

حکیم صاحب کی روانگی سے ایک دن پہلے حافظ ایوب صاحب حکیم صاحب کے یہاں تشریف لائے تھے اور اپنی پچھلی باتوں پر اظہار ندامت کے ساتھ معذرت خواہ تھے، میں سمجھتا ہوں اس دعوت کو قبول کرنے میں اس واقعہ کو زیادہ دخل ہے، یوں بھی آپ حکیم صاحب کی مرنجان مرنج طبیعت سے واقف ہیں، ان کا دل انتقام ونفسانیت کے شائبہ سے ہمیشہ پاک وصاف رہا ہے اور اب تو پاکیزہ تر ہوگیا ہے اس لئے اس مقدس سفر کی واپسی کے بعد اس طرح کی دعوت کو رد کرنا انکی فطرت سے بالکل بعید تھا انکی وجہ سے حافظ ایوب نے ہم لوگوں کو بھی بوچھا اور میں تو صرف حکیم صاحب کے احترام میں شریک ہوا۔

البتہ آپ کو اس دعوت میں نہ دیکھکر مجھے بڑی حیرت ہوئی، چنانچہ میں نے حافظ حمید صاحب سے اس کا سبب بھی پوچھا تو انھوں نے فرمایا اس میں انکی کوئی مصلحت ہوگی، اب آپ

کے رقعہ سے اس مصلحت کی حقیقت معلوم ہوئی۔

بہر حال مجھے یقین تھے وہ اپنے اغراض ومصالح کی خاطر آپ کو جلد منائیں گے اور اسکی تلافی کی کوشش کریں گے۔

حکیم صاحب کا اعظم گڈھ میں اب کسی سیاست سے کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا ھے اس لئے کوئی شخص انھیں استعمال نہیں کرسکتا۔

۸۰۔

میں خود اس مہینہ میں غیر معمولی اخراجات کی وجہ سے بہت زیادہ زیر بار ہوگیا ہوں، اور بنارس کے سفر کے لئے بجٹ میں بالکل گنجائش نہیں ہے اسکے علاوہ پہلی اور دوسری کو تو قطعاً نہیں کر سکتا، تنخواہ اور اس سے متعلق دوسرے حسابات کی تکمیل کی وجہ سے مصروف رہوں گا،

آپ کا عذر بھی بجا ہے مجھ سے کسی سے ابھی کوئی گفتگو نہیں ہوئی ہے، ان سے ملاقات ہوگی تو آپکی طرف سے بھی اور اپنی طرف سے بھی معذرت کروں گا آجکل کبیر (۱) کہاں ہیں اور ان کا پتہ کیا ہے۔

یحییٰ

۸۱۔ کل جمعہ کو رات کا کھانا حکیم صاحب کے ساتھ میرے یہاں کھایئے گا وقت ٹھیک ۷ بجے

یحییٰ

۸۱۔ آج ۳ بجے ابراہیم خان صاحب سے کہوں گا، امید ہے وہ تیار ہوجائیں گے رات کی دعوت میں حکیم صاحب کے اصرار پر میں بھی صرف رسماً شریک رہا لیکن اور شرکاء نے ماشاء اللہ اپنے اپنے ظرف کام ودہن کی خوب نمائش کی،

ڈاکٹر نور الحسن (۲) واقعۃ بہت ذہین اور ہونہار معلوم ہوتے ہیں۔

یحییٰ

---

(۱) پروفیسر اور فارسی ادبیات کے نامور محقق اور ناقد جمہوری اسلامی ایران کی طرف سے جائزہ سعدی سے سرفراز

(۲) پروفیسر نور الحسن انصاری سابق صدر شعبۂ فارسی دہلی یونیورسٹی (م: نومبر ۱۹۸۷ء)

۸۳۔

کل اتوار کو عزیزی شعیب نے دیہات کی ایک پکنک میں آپ کو مدعو کیا ہے آپ ٹھیک ۸ بجے حکیم صاحب کے یہاں آ جایئے گا، دیر نہ ہو ورنہ لوگ روانہ ہو جائیں گے۔

یحییٰ

الف۔ میں آج صبح دلال گھاٹ نہیں جا سکا، قالین گنج سے لوٹ آیا،

مجھے تو آج خالق رضا سے یہ خبر معلوم ہوئی تعجب ہے حکیم صاحب کے حلقہ میں کسی کو اس کی خبر نہیں ہوئی، انو (۱) سے بھی کل شام کو ملاقات ہوئی تھی، انھوں نے بھی کہا،

۸۱۔الف

دعوت میں آپ کے شریک نہ ہونے کا جس کا مجھے وہم وگمان بھی نہ تھا حکیم صاحب سے زیادہ مجھے خیال ہوا تھا اور میں نے اسے غیر معمولی طور پر محسوس کیا تھا کیونکہ کچھ دنوں سے مجھے یقین ہو چلا تھا کہ اب آپ ہم لوگوں کے بالکل قریب، اور ہر معاملہ میں ہمارے شریک کار ہو گئے ہیں، بہر حال اسکا ہم لوگوں کے تعلقات پر کوئی اثر نہیں پڑنا چاہئے، جو ہوا سو ہوا اب آپ معمولاً حکیم صاحب کے یہاں کبھی کبھی آیا کیجئے انھیں آپ کے نہ آنے کا کوئی خیال نہیں ہے۔

یحییٰ

۸۲۔

شعیب کا مضمون پورا پڑھ لیا اور دوسرے مضامین بھی سرسری طور پر دیکھ لئے، پھر جب آپ رسالہ پڑھ لیں گے اطمینان سے دیکھوں گا، فراق کا مضمون شاید کسی رسالہ میں چھپ چکا ہے، نظموں کا حصہ جیسا آپ نے لکھا ہے واقعی نہایت مہمل اور بے کیف ہے، کوئی نظم بھی پسند نہیں آئی،

جامعہ میں سعید انصاری صاحب کا مضمون میں نے پڑھا تھا اور اسکی ان کو داد بھی دی

---

(۱) میرے چھوٹے بھائی یوسف سلیم، (م: ۲۳، مارچ ۱۹۸۷ء، دہلی)

تھی، جسکے جواب میں اونہوں نے لکھا ھے کہ یہ مضمون دراصل اونہوں نے جوبلی کے لئے لکھا تھا اور شاہ صاحب سے اس کا تذکرہ بھی کیا تھا لیکن ان لوگوں نے اسے قابل اعتنا نہیں سمجھا، اس لئے اونہوں نے اسے جامعہ میں اشاعت کے لئے دیدیا۔

دراصل یہ مضمون جوبلی کے موقع پر پڑھنے اور معارف میں چھپنے کے لائق تھا۔

یحییٰ

۸۳۔ کئی روز سے آپ سے ملاقات نہیں ہوئی، آج بھی بارش ہورہی ھے، اسلئے کتبخانہ آنا مشکل ہے، للن (۱) کے افسوسناک واقعہ کی اطلاع مجھے کئی روز کے بعد ہوئی بیحد افسوس اور تکلیف ہے۔

سوچا تھا کہ آج آپ سے اس واقعہ کی تفصیل معلوم کروں گا، لیکن بارش ہورہی ہے، شعیب کی کامیابی کے امتحانات بڑھتے جارھے ہیں، کل وہ آئے تھے آپ سے ملے ہوں گے۔

یحییٰ

۸۴۔ آپ نے بے ضابطگی کے متعلق جو کچھ لکھا ھے وہ صحیح ھے اور مجھے اس کا کچھ خیال نہیں ھے لیکن آپ ذرا اسکی تفصیل سن لیجئے۔

یہ کتاب صباح الدین سے میں صرف ایک روز کے لئے لے گیا تھا اتفاق سے اس روز حکیم اسحاق صاحب میرے یہاں آگئے اور چلتے وقت کتاب ہاتھ میں لیتے گئے میں نے سوچا کہ شام کو جاؤں گا تو لوں گا، شام کو پہونچا تو معلوم ہوا کہ حکیم مصلح الدین آئے تھے اور وہ کتاب لیتے گئے اور صبح میری پاس بھجوادیں گے۔

اب یہ ان کی غلطی تھی کہ کتاب میرے پاس نہیں بھجوائی بلکہ راستہ میں آپ کو دیدیا۔

ایک روز میں نے قاضی عبدالغفار کی کتاب مولانا ابوالکلام آزاد کا نیا اڈیشن ان کے ہاتھ میں دیکھا تھا غالباً یہیں سے لے گئے تھے۔ یحییٰ

---

(۱) ابوعلی کے بھانجے

یحییٰ کے ان شعری قطعات میں مسز گاندھی سے جو عقیدت، وطن سے محبت، جوانانِ وطن اور شہیدانِ آزادی سے جو اُلفت، دشمنانِ وطن سے جس نفرت اور پاکستانی معاشرہ خاص طور سے یحییٰ خاں کے دورِ حکومت میں سیاسی عصبیت اور مہاجرین کی بُری حالت پر جو اشارات ہیں وہ اُن کے سیاسی عقیدہ کا بہترین مظہر ہیں اور ایک شاعر کا آزادانہ خیال ہے جس کی مثال میں ہندوستان کے کسی شاعر کا اتنا جرأتمندانہ اور بیباکانہ کلام پایا جانا ممکن نہیں۔

حکیم اسحٰق سے اُن کو کب یہ دینی اور سیاسی ہم آہنگی حاصل ہوئی، اس کا اندازہ مجھے بھی نہ ہو سکا۔ اُن کی تربیت کس ماحول میں ہوئی، متانت، نفاست، صداقت، مروّت، تواضع، منکسر المزاجی اور خاموشی کے یہ آداب انھوں نے کہاں سے سیکھے اور کب انھوں نے اپنے بزرگ دوست حکیم اسحاق کے بہت مختلف الخیال اور مختلف المذاق حلقہ میں اپنا ایک امتیازی مقام بنا لیا۔ اور بہتوں کو اپنے سے پیچھے چھوڑ گئے کہ ۵۰ سالہ رفاقت کی زندگی میں دونوں کے درمیان ہزار نشیب و فراز کے باوجود کوئی اختلاف نہیں ہوا۔

اصحاب کی محفل میں گرما گرم بحث ہوتی، سیاست، خاص موضوع ہوتا، مذہب، معاشرت اور دوسرے معاملات میں دوسرے جوش میں اٹھ کھڑے ہوتے مگر یحییٰ انتہائی سنجیدگی سے چند جملے کہتے اور دوسرے روز کی نشست میں اُس موضوع کو شعری جامہ پہنا کر دوسروں کو لاجواب کر دیتے۔ وہ خاموش طبع شاعر آہ اور واہ کی تعریف سے بے نیاز صرف اور صرف حکیم اسحاق کی مجالس خاص میں اپنا کلام سُناتے اور اشاعت کے لیے بھیج دیتے۔ اُنھیں کے الفاظ میں حکیم اسحاق اُن کے مذاقِ سخن کے اولین مرشد تھے جنھیں قدرت نے نباضی کے علاوہ حکمت و دانش، صبر، استغنا، انکسار کے ساتھ وقار اور شعار کی بے مثال نعمت عطا کی تھی۔ سیاسی جلسوں، مذہبی اجتماعوں، مدرسہ اسلامیہ کے انتظام، پکنک، تفریح، مریضوں کے یہاں اکثر آمد و رفت، شکار پارٹیوں، انتخابات کی گہما گہمیوں میں وہ ان کے شب و روز کے ساتھی تھے۔ سفر و حضر کی رفاقت میں ۱۹۴۵ اور ۱۹۵۰ کے تاریخی الکشن کے اسفار بھی تھے۔ دونوں گالیاں تو کھاتے تھے ہی ڈنڈوں اور ڈھیلوں کی بارش سے ان کی بار بار پذیرائی ہوئی مگر کبھی پیشانی پر بل نہ آیا۔

یحییٰ اعظمی کو حکیم اسحاق کی جدائی کسی قیمت پر برداشت نہ تھی۔ مگر دو موقع ایسے آئے کہ یہ فراق

۸۵۔ اس بے ضابطگی کی ذمہ داری تھوڑی سی مجھپر ہے لیکن یہ بتادوں کہ یہ کتاب کتب خانہ سے صرف ایک روز باہر رہی،

آپ ذرا یہ بتادیجئے کہ حکیم مصلح الدین نے یہ کتاب کس سے بھجوائی اور کس کے پاس بھجوائی، آپ تک براہ راست پہونچی یا کسی کے ذریعہ سے۔ یحییٰ

۸۶۔ یہاں کے جلد ساز اس قدر بے پرواہیں کہ ان سے اپنے مرضی کے مطابق اور وقت پر کوئی کام لینا بڑا مشکل ہے بہ ہر حال میں ظہیر خاں کے لڑکے کو بلاؤں گا اور اس سے خاص طور پر تاکید کردوں گا، آپ کے پاس بھی بھیجوں گا، آپ بھی کہدیجئے گا، چٹان حکیم صاحب کے یہاں ہے کل تو اتوار ہے، انشاءاللہ پرسوں لیتا آؤں گا۔ یحییٰ

۸۷۔ اس کا ٹائیٹل اور سائز بیشک نہایت دیدہ زیب ہے، اچھا ہوا آپ نے اس کا مشورہ دیا مضامین کی ترتیب اور جابجا اشتہار مجھے بالکل پسند نہیں ہے اکابر جمیعۃ کیا کسی معروف اہل قلم کا اسمیں کوئی مضمون نہیں ہے اور جو ہے وہ مطبوعہ ہے اور یہ اس نمبر میں بہت بڑی کمی ہے، اس لحاظ سے آجکل کو مجموعی حیثیت سے میں اس سے بہتر سمجھتا ہوں، انیس الحسن (۱) صاحب کے مضمون کا عنوان نہایت موزوں ہے اس میں تو انہوں نے مولانا کا وہی خط نقل کردیا ہے جو غبار خاطر میں ہے اس نمبر کا سب سے بہتر مضمون وہی ہے جسے آپ نے پسند کیا ہے یہ غالباً فارقلیط (۲) کا ہے، بس یہ ایک مضمون اس نمبر کی مقبولیت اور بلندی کے لئے کافی ہے، دلی سے ایک امام الہند نمبر اور بھی نکلا ہے نئی دنیا جو جمعیۃ کا باغی ہے، میرے پاس یہ پرچہ آیا ہے، آجکل حکیم صاحب کے پاس ہے، آپ کو دکھاؤں گا۔ یحییٰ

☆☆☆

---

(۱) کانگریس کے کٹر حمایتی، نیا ہند، پرچم ہند اور ملک وملت کے مُدیر

(۲) الجمعیۃ کے اڈیٹر عثمان فارقلیط

بازگشت

پیکرِ شرافت

یحییٰ اعظمی کے دستی رقعات سے ہر قاری کو ان کی شخصی زندگی، ادب و شعر، سیاسی نظریہ اور مسلکی نقطۂ نظر کی شناخت میں دیر نہیں لگتی ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ ان کی وضعِ احتیاط، سادہ دلی، رفتار و گفتار، نشست و برخاست، پوشش اور خورد و نوش، روزہ نماز، داد و دہش، مہمان نوازی اور دوست نوازی خورد نوازی، طنز و مزاح، بردباری جیسی بے شمار خوبیوں کا علم صرف ان کو بہت قریب سے دیکھنے والوں کو ہی ہوا ہوگا۔

محاسبی کی قلیل تنخواہ میں وہ اپنی چار بیٹیوں اور واحد بیٹے کی پرورش و پرداخت، تعلیم و تربیت اور شادی بیاہ کی ذمہ داریوں سے کیسے عہدہ برآ ہوئے ہونگے۔ اس کا اظہار نہ تو انھوں نے اپنے قریبی دوستوں سے کیا اور نہ اپنی شاعرانہ تخلیقات میں گنجائش نکالی۔ وہ مدتوں کرائے کے مکان میں رہے جو بیشتر کچے اور خشت و سنگ کے وجود سے مبرّیٰ تھا۔ یحییٰ اپنے ملاقاتی کمرے میں کچے مٹی کے فرش کو روزانہ کی پتائی سے صاف رکھتے، اندرونی حصہ باورچی خانہ، صحن جس میں موسم کی مناسبت سے پھولوں (خصوصاً گلاب، بیلے، رات کی رانی، ساونی کی بہار ہوتی) بیرونی کمرے کی دیواروں کے بیشتر حصے قدِ آدم براؤن کاغذ کی پوشش سے آنے والوں کی نظروں کو خصوصاً متوجہ کرتے۔ روز باہری دیوار پر چونے سے کی ہوئی سفیدی بعض کم عقل نوجوانوں کی بیہودگی کا شکار ہو کر پان کی پیک سے یا نالی کے کیچڑ کے چھینٹوں سے داغدار ہوتی۔ مگر یحییٰ کی نفاست پسند طبیعت دوسری صبح ہونے سے قبل قلعی کی جانے والی کونچی سے اُس داغ کو مٹا دیتی۔ یہ واقعہ بارہا پیش آتا رہتا مگر اس شریف النفس انسان نے کبھی اُف تک نہ کی۔

اُن کے اپنے گھر میں بھی یہی اہتمام رہا میں نے ان مٹی والے گھروں اور پھر اینٹوں

کے فرش اور سمینٹ کی دیواروں والے مکان دونوں میں بار بار جانے کی سعادت حاصل کی میز، کرسی اور دیوار میں ہی الماری، میز تک، روشن، اخبار رسائل منظم جیسے کوئی تھوڑی دیر پہلے سب کچھ سمیٹ گیا ہو۔ وہ اتنے صفائی پسند تھے کہ جب باہر سے آتے تو کمرے میں داخل ہوتے ہوتے جوتے اتار دیتے اور وہیں رکھی ہوئی لکڑی کے کھڑاؤں بدل کر پھر کپڑے وغیرہ تبدیل کرتے ایک بار انھوں نے مرتب شدہ گھریلو دیکھ ریکھ کا ذکر کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ اگر بارہ بجے کی اندھیری رات میں ایک سوئی کی بھی ضرورت ہو وہ لالٹین یا لیمپ کی روشنی کے بغیر اُسے اپنی جگہ سے لا سکتے تھے۔

ان کی یہی روش لباس پوشی میں بھی اپنا ایک مخصوص انداز رکھتی تھی کرتا پاجامہ، ٹوپی، صدری شیروانی اور شاید مفلر بھی، موسم کی مناسبت سے خالص کھدر کی زیب تن کرتے، ہاتھ میں چھڑی وہ اپنے مخصوص انداز میں شبلی منزل تک یا پھر میرے والد کی شام کی روزانہ نشست یا دن میں ان کے مطب میں آتے۔ اس معاملے میں ان کا مقابلہ فقط شہر کے مشہور معالج ڈاکٹر عبدالحفیظ انصاری سے کیا جا سکتا ہے مگر یحییٰ کے یہاں تھوڑا تنوع تھا جبکہ ڈاکٹر انصاری جوتوں ک مناسبت میں بھی لباس کی رنگینی اور یکسانیت کا خیال رکھتے تھے ہاں ڈاکٹر انصاری اپنی سائیکل کی سواری پر بہت دور سے پہچان لیے جاتے تھے۔ جبکہ یحییٰ اپنی پیادہ چال میں ہی اپنی ایک نمایاں شان رکھتے تھے۔

انھوں نے کبھی مذہبی شدت یا اس کی پابندی کا اعلان نہ تو اپنی شاعری میں کیا اور نہ اپنے خطوں میں مولوی عبدالباری کے نام۔ اپنے جدی ورثہ میں اہلِ حدیث تھے۔ اور رمضان کی صرف آٹھ رکعت بیشتر اپنے پڑوس کی مسجد میں یا پھر میرے والد کی امامت میں۔

قران اور غالباً رمضان کی تراویح میں وہ پورا ختم سنتے ایک بار شاید بیماری کی وجہ سے سورۂ نور نہیں سن سکے تھے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر تم اپنی امامت میں سورہ آٹھ رکعت پڑھ کر سنا دو تو ان کا یہ ختم پورا ہو جائے گا۔ مجھے خوشی ہے کہ میں اس خواہش کو پورا کرنے میں کامیاب

رہا۔انھوں نے اپنی اسی مخصوص مسکراہٹ میں نہ صرف مجھے دعائیں دیں بلکہ شیرینی بھی تقسیم کی۔

ہم نے ان کے مدحیہ قصائد ،مراثی اور استقبالیوں کے کچھ نمونوں کا مطالعہ گذشتہ صفحات میں کیا ہے مگر اس کا دائرہ وہیں تک محدود تھا۔ عالم اسلام کی پذیرائی اور ملی شخصیت کے پرستار تھے جن کی تعریف وتوصیف ومرثیہ خوانی میں کسی قسم کا بُخل نہیں آیا اور وہ کیسے کر سکتے تھے جبکہ انھوں نے ظہور قدسی کے عنوان سے ۱۱۵ اشعار کی نعت سے ہر اسلامی شاعر کی طرح حضور صلعم کی شان میں اشعار کہہ کر نعت گوشعرا کی صف میں اپنا نام بھی درج کروالیا تھا:

مبارک خامہ فطرت کے شہکار حسین آئے
مبارک خاتم ھستی کے تابندہ نگین آئے
وہ مقصود ملائک، مورد الہام ربانی
وہ مولائے ریاست مہبط روح الامین آئے
ترے مقدم سے روشن ہوگئی پھر بزم امکانی
درود بیکراں تجھ پر ہو اے محبوب ربانی (۱)

یحییٰ کے ممدوحین میں مولانا محمد علی مولانا شوکت علی مصطفیٰ کمال، ڈاکٹر انصاری، ڈاکٹر اقبال، گاندھی جی، راجندر پرشاد مولانا حفظ الرحمان، مفتی کفایت اللہ سید سلیمان ندوی اپنی قومی اور سیاسی تشخص کے ساتھ نمایاں نظر آتے ہیں۔

اس کے علاوہ بزم قدسی، یادرفتگاں رجال عصر اقبال ملت، علمائے ملت، عصر حاضر اور فرزندان توحید مناظر قدرت دورِ وحشت جیسی نظموں میں شاعر کا ہاتھ ہندوستان اور عالم اسلام کی نبض پر تھا۔

فارسی شعراء میں عرفی، غنی کاشمیری اور نظیری کو بہت پسند کرتے تھے، فانی، جگر اور روش صدیقی کی وفات پر ایک شاعر ہونے کے ناطے اپنا غم بنا کر رکھنا اور اپنے استاد مولانا اقبال سہیل پر

---

(۱) نوائے عصر ص ۲۰۱

آہ سہیل کے عنوان کے تحت ہمیں غالب حالی، ڈاکٹر اقبال کے چکبست اور شبلی نعمانی کے اپنے بھائی اسحٰق کی جواں مرگی پر منظوم مرثیوں کی یاد دلاتا ہے (سہیل کا ماتم نامہ بطور مثال تعلیقات میں شامل ہے۔)

یحییٰ اعظمی باقاعدہ کسی کے شاگرد نہ تھے مگر دبستان شبلی کے مایۂ ناز شاگرد اقبال سہیل کو یحییٰ نے جو خراج عقیدت پیش کیا ہے وہ اقبال سہیل کو پڑھنے اور سننے والوں کو ان کی قادرالکلامی برجستہ گوئی اور انسائکلو پیڈیائی عالم کے علم وفضل کا منبع ہونے کا جیتا جاگتا ثبوت ہے اقبال سہیل کو عصر حاضر کا عرفی ونظیری رشک قاآنی حریف انوری جان کمال جمند، ناز غالب، افتخار صاحب شعر العجم مجد علم ودانش فضل محترم جیسے علمی وارفع خطاب سے یاد کرنا، استاد اور شاگرد کے عظیم رشتہ کا قابل توجہ مرقع ہے۔

یحییٰ اعظمی میں ان ساری خوبیوں کا وجود کیسے در آیا، اس کا پتہ ان کی نثری کاوش میں (جو بہت کم اور کلام میں) بھی ظاہر نہیں ہوتا، ہاں اشاروں اشاروں میں انھوں نے اپنے والد کو جس طرح یاد کیا ہے ان کی شاعرانہ مہارت اور مجموعہ کلام کی بازیافت پر انتہائی خوشی کا اظہار کیا ہے، اس سے اس بات کا اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگتی کہ یحییٰ کی پرورش وتربیت اور شعروشاعری کا حد درجہ صاف ستھرا ذوق پیدا کرنے میں ان کے والد کا ہاتھ تھا اور اسے کمال بخشنے میں اقبال سہیل کی رہنمائی کے ساتھ تلمیذ الرحمانی کا وہبی عطیہ تھا

شاعر یحییٰ کے رقعات میں فارسی کو ان کے ایک وسیع النظر نقاد ہونے کا بھی بارہا ثبوت ملتا ہے جو وہ عزیز لکھنوی کے شعر اور لفظ مستی یا کسی شاعر کے ایک مصرع میں فقط کا کلمہ بدل کے اسے فصیح تر بنا دیا یا پھر مقامی شعرا میں ثاقب اور نامی کے شاعرانہ سقم پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے۔

ان کے رقعات میں مہدی اور ان کے مکاتیب میں بیوی سے شدید محبت اور ان کا پورا پیراگراف جو عورت کے وجود اور مرد کی وارفتگی کا بے مثال نمونہ ہے یا پھر یحییٰ کی یہ خواہش کہ کاش وہ ایسی خاتون کی زیارت کر سکتے، ایک شاعر کی فطری خواہش کا غماز ہے، ساتھ ہی یحییٰ نے مہدی

افادی کے بعض بازاری کلمات، ریڑی کا تیل بجائے رنیڈی یا صالحہ کے اچھے خاصے نام کو صالحیہ پر اپنی ناپسندیدگی ظاہر کی ہے۔

یحییٰ کی غزلیات کا اگر کوئی نمونہ مل جاتا تو شاید اشاروں اور کنایوں میں عورت کے وجود اور شعرا کے بیشمار کلام کی طرح یحییٰ کا کلام بھی رنگینیوں کا سفینہ ہو جاتا۔

آہ حضرت سہیل

تیرے غم کی اس میں باقی تھی کہاں تاب رقم
ہو چکا تھا خستہ مدت سے مرا محزون قلم

وہ قلم جس کو بتائے تو نے اسرار ادب
وہ قلم جس کو سکھائے تو نے آداب رقم

تھی زبان جس کی ترے فیض نوا سے نغمہ سنج
آستان فضل پر تیرے جبیں تھی جس کی خم

آج ہے سر در گریبان تیرے ماتم کے لئے
تھا مقدر اس کی قسمت میں تری رحلت کا غم

''حضرت سید'' کے ماتم سے نہ تھے فارغ ہنوز
دل میں تازہ تھا ابھی تک آہ یہ داغ الم

ہوگئے رخصت وطن سے آہ اب اقبال بھی
ہوگیا صد حیف دور بزم شبلی مختتم

کون اب کھولے گا ہم پر شعر و دانش کے رموز
ذہن کس کا اب کرے گا فاش اسرار حکم

آستان فیض تیرا تھا تو کچھ بھی غم نہ تھا
عقدہ دشوار لے کر اب کہاں جائیں گے ہم

کون فیضان نظر سے اب نوازے گا ہمیں
آستان پر کس کے حاضر ہونگے اب ہم صبحدم

کس کی تنقید و نظر سے ہوگا معمور اب ادب
بخش دیگا گنج تحقیق و ہنر کس کا قلم

اٹھ چکے تھے دور پیشیں کے سب ارباب کمال
اک ترے دم سے تھا قائم شعر و دانش کا بھرم

تیرا ذہن و فکر تھا عہد سلف کی یادگار
ایسے طباع ذہین اس دور میں اُٹھتے ہیں کم

عصر حاضر میں تھا عرفی و نظیری کا نظیر
در حقیقت ہند میں تیرا وجود مغتنم

رشک قاآنی، حریف انوری، جامی کمال
ناز غالب ، افتخار صاحب شعر العجم

تیرا اعجاز خطابت، تیرا طغرائے کمال
یونین کے ذرہ ذرہ پر ہے اب تک مرتسم

ہے علی گڈھ کے در و دیوار پر نقش آج بھی تیرا مجد علم و دانش تیرا فضل محترم
پیش کر سکتے نہیں تیرے قصائد کا جواب ہیں یہاں قاصر مشاہیر سخندان عجم
اے سہیل اے زمزمہ پیرائے نعت و منقبت تیرے نغموں سے ہے معمور آج گلزار ارم
بارگاہِ قدس ہے اور ارمغان نعت ہے حشر میں تیری شفاعت کے لئے یہ کیا ہے کم
رحمتِ حق بڑھ کے لے لیگی تجھے آغوش میں نکتہ سنج نعت! تیری ''موج کوثر'' کی قسم
آہ اے اقبال فن اے بلبل باغ ادب تیرے رنگیں زمزموں سے ہوگئے محروم ہم

باغ گیتی میں نہ ہوگا اب نوا پیرا سہیل
غیر ممکن ہے کرے خاک وطن پیدا سہیل

۱۔ سید سلیمان ندوی ۲۔ مولانا اقبال احمد خان سہیل
۳۔ جمال الدین عرفی شیرازی ۴۔ محمد حسین نظیری نیشاپوری
۵۔ مرزا حیدر قاآنی فارسی قصیدہ گوشاعر ۱۳۳۴ھ پیدائش شہر شیراز
۶۔ فارسی کے قصیدہ گوشاعر ۷۔ کمال اسمعیل، فارسی قصیدہ گوشاعر وفات ۶۳۵ھ
۸۔ اسداللہ خان غالبؔ ۱۷۹۷ء بمقام آگرہ پیدائش، وفات ۱۸۶۹ء مدفن حضرت نظام الدین اولیاء، دہلی، مادہ تاریخ ''آہ غالب بمرد''
۹۔ اقبال سہیل کی معروف مشہور نعتیہ نظم

مجسمۂ صداقت

مولوی عبدالباری صاحب قلمی نام ابوعلی، اعظمی یا اثری یا اعظمی نے اپنی انفرادیت برقرار رکھنے کے لیے متعدد لاحقے لگا رکھے تھے مگر سارا شہر ان کو ان کے اصل نام سے پہچانتا تھا اور دارالمصنفین میں علمی کارکن کی حیثیت سے جانتا تھا، وہ اپنے علمی دوست اور سیاسی رقیب اور مسلکی بھائی یحییٰ اعظمی سے کب واقف اور ان کے ہمراز اور ہم مزاج بنے اس کا پتہ آج تک نہ چل سکا اور دونوں کے قرب اور فصل کا اندازہ لگانا آسان نہیں ہے کیونکہ یحییٰ کے رقعات کی طرح کوئی ایک سطر نہ تو یحییٰ مرحوم کے گھر سے اور نہ ہی ابوعلی اعظمی کے ورثاء سے کوئی ایک کاغذ حاصل ہو سکا خصوصاً ان کی بیاض یا ڈائری جو یقیناً صاحبان قلم کے قلمی شہ پاروں، تبصروں، رایوں، مشوروں، طنز و مزاح کے علمی زعفران زادوں اور بہتوں کے محاسن و معائبکے خزانوں اور بہتوں کے رقعات کے خزانوں اور خود صاحب بیاض کے موقع بہ موقع منتخب شدہ اشعار سے مالا مال دفینہ کے مانند ہوگی۔

عبدالباری ابوعلی نے بڑی طویل عمر پائی اور تقریباً ۹۰ برس زندگی کے نشیب و فراز دیکھے اور عمر کا بیشتر اور بہترین حصہ دارالمصنفین میں گزرا جہاں رہ کر انھوں نے ایک نامور مضمون نگار کی حیثیت سے نام پیدا کیا جس کا اشارہ انھوں نے اپنے تبصرہ حاضر میں سید سلیمان ندوی ماجد دریابادی شاہ معین الدین کی نگاہوں میں اپنے مضمون کی جامعیت کے سلسلہ میں کیا ہے، ان کی اس خصوصیت کا پہلا اعتراف نوجوان نقاد اور شاعر خلیل الرحمان اعظمی نے اپنے مجموعہ مضامین نو میں ان الفاظ میں کیا تھا:

"لکھنے لکھانے کا چسکا مجھے ہائی اسکول کے زمانہ

طالبعلمی میں پڑ گیا تھا، میری ابتدائی تربیت میرے محترم
بزرگ مولوی عبدالباری صاحب کی مرہون منت ہے یہ
کون صاحب ہیں کس عہدہ پر فائز ہیں اس کا جواب ان کی
شخصیت کی پہچان کے لئے کافی نہیں ویسے تو دارالمصنفین
اعظم گڈھ سے وابستہ ہیں اور آستانہ شبلی وسلیمان کی
خاکروبی کو اس پیرانہ سالی میں بھی مایہ امتیاز سمجھتے ہیں مگر
حقیقت یہ ہے کہ وہ ان خاصان خدا میں ہیں جو اپنی گمنامی کو
ناموری پر ترجیح دیتے ہیں۔'' (۱)

ہندو پاک کے معروف صحافی، شاعر اور اڈیٹر فاران کراچی نے ابوعلی آصفی کے مضامین سے اپنے آپ کو بری کرتے ہوئے ندوۃ العلماء اور دارالمصنفین کے عمائدین کے بارے میں ان کی رائے اور نظریہ کو نظر انداز کیا ہے اور ابوعلی کی تحریر وانشاء کے معترف ہوتے ہوئے کتنا صحیح اور حقیقی تجزیہ کیا ہے۔

''مولانا ابوعلی کی متعدد تحریریں فاران میں شائع ہوتی رہتی ہیں اور پڑھنے والوں نے انھیں پسند کیا ہے اور مضامین میں ندوۃ العلماء اور دارالمصنفین اعظم گڈھ سے متعلق بعض بعض واقعات اور شخصیات کا ذکر آیا ہے مگر ہمیں کسی واقعہ کی تردید کے سلسلہ میں کوئی خط مضمون نگار کی مبالغہ آمیزی کے بارے میں کوئی شکایت نہیں ملی ہے عالم الغیب تو اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے مگر جہاں تک ابوعلی کی تحریر وانشاء کا تعلق ہے اس میں بڑا خلوص پایا جاتا ہے اور ہمارا دل بولتا ہے کہ صاحب موصوف کسی واقعہ یا شخصیت کے بارے میں وابستہ طور پر کوئی غلط تاثر نہیں دیتے پھر بھی وہ بہرحال انسان ہیں فرشتہ نہیں ہیں (فاران رجولائی)

ابوعلی کی اس قسم کی تحریروں پر یحییٰ اعظمی کے رقعات میں جگہ جگہ اشارے ملتے ہیں

---

(۱) علامہ شبلی اور ابوالکلام آزاد اور ابوعلی اثری، ص ۲۴

ناگزیر تھا ۱۹۴۸ میں حکیم اسحاق شیاٹیکا کے شدید مرض میں مبتلا لکھنؤ کے سفر پر گئے، ندوہ میں قیام اور ڈاکٹر فریدی مرحوم کے معمولی علاج کی برکت سے وہ صحت یاب ہوکر لوٹے تو سب سے زیادہ قرار شاعر کو آیا اور اظہار کئی اردو فارسی قطعات کی شکل میں ہوا۔ پڑھنے والے اُس شدتِ جذبات کا اندازہ ذیل کے پیش کردہ کلام میں کرسکیں گے کہ یحییٰ کو حکیم اسحاق سے کس درجہ کی محبت تھی اور کیسا گہرا تعلق تھا۔

(۱) خدا نے ہم مریضانِ الم پر رحم فرمایا — کہ تجھ کو اے مسیح محترم! کامل شفا بخشی
جو تھے محروم مدت سے ترے فیضِ مداوا سے — تری صحت نے پھر اُن کو نوید جانفزا بخشی
درودیوار پر جس کے اداسی سایہ گستر تھی
ترے قدموں نے پھر اس کلبہ غم کو ضیا بخشی

(۲) یکا یک غیب سے آئی بشارت تیری صحت کی — دعا سُن لی خدائے پاک نے ہم مستمندوں کی
بجا ہے جان و دل سے ہے جو بیمارِ غم صدقے — کہ تیری ذات جانِ زندگی ہے دردمندوں کی

(۳)

یہ کس کی دعائے سحر کا اثر تھا — کہ رحمت خدا کی ہوئی آشکارا
انھیں چارہ ساز ازل نے شفا دی — کہ تھے دردمندوں کے غمخوار و آقا
گئے تھے وطن سے جو بیمار ہوکر — وہی دفعۃً بن کے آئے مسیحا
ہوئیں فائز و مستجاب اللہ اللہ
فغانِ شعیب اور دعائے حمیرا

(۴) ہے شکر اس شافیِ مطلق نے اچھا کردیا تجھ کو
پئے خدمت دوبارہ جادہ پیما کردیا تجھ کو
اُسی انداز حکمت سے اُسی شانِ متانت سے
مریضوں کے جلو میں جلوہ فرما کردیا تجھ کو

---

(۱) میری بڑی بہن (م ۱۹۶۴ء)

دراصل ابوعلی کا انداز بیان پر جوش اور ولولہ انگیز ہوتا تھا جس کی شدت بعض قلوب میں کھٹکتی تھی اور وہ لوگ معاندانہ رویہ اختیار کر لیتے تھے، ناظرین کتاب کے ابتدائیہ میں یہ دیکھ چکے ہیں کہ ابوعلی نے ابوالکلام کی سیاسی اور علمی حیثیت کو حقیر بے معنی سمجھکر ان پر سخت نکتہ چینی کی ہے اور ساری ابوالکلامی فوج سے تن تنہا مقابلہ کرنے پر ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔

ان کے ابوالکلامی حلیف اور دوست یحییٰ نے کس صبر وضبط کے انداز میں ابوالکلام اور سید سلیمان کے مضامین کے بارے میں اس معاملہ کو از سر نو زندہ نہ کرنے کا بار بار مشورہ دیا ہے مگر ابوعلی مولانا ابوالکلام کے انتقال کے بعد ان کی ھندوستانی مسلمانوں کی پریشان حالی میں دستگیری اور ملکی اور سیاسی مسائل میں ان کی دانشوری اور پھر ھندوستان کے رسائل، شماروں اور مستقل متعدد تصانیف وغیرہ میں ان کی بیش بہا ثقافتی اور سیاسی اور علمی خلوص کے قائل اس وقت ہوئے جب ۱۸ فروری ۷۲ کو ان کے جگری دوست اور سیاسی حریف یحییٰ اعظمی کا انتقال ہوگیا۔

ابوعلی باوجود تنگ دامانی و وسائل کی محدودیت اپنے علمی سفر اور قلمی کاوشوں کو فروغ دیتے رہے۔ مضمون نگاری، مکتوب نگاری اور انشائیہ سے بھرپور ان کی تحریریں ان کے مداحین اور لواحقین کو ادبی مذاق سیاسی نکات ورموز سے آشنا کراتی رہیں اس وقت ابوالکلام جوان کے قلم کے نشتروں کا شکار ہوتے رہے تھے اب ان کے منظورِ نظر بن گئے اور انھوں نے بے شبہ، درجنوں مضامین لکھ ڈالے اور ان کی اشاعت کے لیے سینکڑوں جتن کر ڈالے حکومتِ ھند کے وزیر ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن انصاری تک انھوں نے سفارش کرا ڈالی اپنے پٹی وار ڈاکٹر سعید انصاری کے یہاں وہ مسودہ مدتوں پڑا رہا مگر ابوعلی کی مراد بر نہ آئی اور وہ بھی اپنے جگری دوست یحییٰ اعظمی کی طرح ۳۰ جون ۱۹۹۳ میں عالم جاودانی کو سدھار گئے۔

مگر، صد شکر کہ اُن کی لائق وفائق اولاد ارشد علی انصاری اعظمی نے ان کی روح کو خوشحال کر دیا اور اپنی سعادتمندی سے مرحوم باپ کی آخری اور دیرینہ خواہش کو پورا کر کے ایک بار پھر ابوعلی اعظمی کی تحریر اور قلمی انشائیہ کو علم وادب کے شائقین کے ہاتھوں میں پہونچا دیا۔ وہی ابو

الکلام جن کا سینہ ان کے قلمی نشتر سے چھلنی تھا اب انہیں کی تحریروں اور انشائیوں کے مرہم سے نہ صرف یہ قضیہ مندمل ہو چکا تھا۔ بلکہ منور تھا ملاحظہ ہو: ''اردو ادب کے اس صد سالہ ترقی کے پورے دور میں تو دوسرے شبلی و حالی و سرسید تو ضرور پیدا ہوئے لیکن صاحب ''آبِ حیات'' محمد حسین آزاد کی طرح کوئی دوسرا ابوالکلام نہیں پیدا ہو سکا کہ دونوں کا طرزِ اسلوب منفرد تھا جس کا اتباع مشکل تھا اور انہی پر ختم بھی ہو گیا مولانا کا طرزِ تحریر اور ان کا مدعیانہ لب ولہجہ ایسا تھا کہ بہت سے لوگوں کو ڈر پیدا ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آگے چل کر کہیں یہ پیغمبری کا دعویٰ نہ کر بیٹھیں جیسے ان سے پہلے بہت سے لوگ اپنی غیر معمولی ذہنی و دماغی و علمی صلاحیتوں کی بنا پر اس کا دعویٰ کر بیٹھے اور ان کی دعوت شروع کر دی لیکن ان کو لوگوں کی طرف سے محض شہیدِ وطن، علامہ ابنِ تیمیہ، علامہ ابنِ قیم، علامہ ابن حزم کے دینی تصورات میں کھو جانے والے ابوالکلام سے کسی حال میں بھی اس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی انہوں نے مذہب میں، ادب میں سیاست میں فکر و نظر کی تمام راہوں میں ایک الگ شاہراہ تو ضرور قائم کی اور وقت کے تمام قافلوں، ہم نفسوں اور راہ رووں کو چھوڑ کر اس پر ضرور چلے بلکہ خاندان تعلیم اور سوسائٹی نے ان کو جو کچھ بخشا تھا اس کو بھی ترک کر دیا اور اپنی الگ ڈگر بنائی اور اس میں کامیاب بھی رہے لیکن قسامِ ازل کے اس بے پایاں جود و کرم کے باوجود ان کے دل کے کسی گوشے میں بھی یہ گہرا احساس پیدا نہ ہو سکا۔''

ابوعلی نے تقریباً ۲۲۶ صفحات پر مولانا ابوالکلام کی مزید خوبی کو عنوان بنا کر بہت تفصیل کے ساتھ بہت اچھے انداز میں جو لکھ دیا ہے جو ہر طرح سے شاعر یحییٰ اعظمی کے مولانا آزاد کی شانِ علم و فضل دانائی سیاسی بصیرت اور خصوصیات سے بھرپور نظموں کی نثری تفصیل ہے خدا کا شکر کہ دونوں دوستوں کی ان شعری اور نثری کاوشوں کو ناظرین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت اس ناچیز کو جزوی طور پر اور ابوعلی صاحبزادہ ارشد علی کو مفصل طور پر میسر آئی کہ انہوں نے اپنے والد کی علمی میراث کے ایک مخصوص اور موضوع کو منتخب کیا اور منظرِ عام پر لائے۔

توقع ہے کہ وہ مولانا ابوعلی آصفی کی باقیات الصالحات جن میں انکی ذاتی ڈائری اور

مکاتیب شامل ہیں شائع کر کے مولوی عبدالباری، ابوعلی اعظمی، اثری اور آصفی جس کسی انداز میں رہے ہوں گذشتہ نصف صدی کے ممتاز انشا پرداز مصنف، نقاد، اور علمائے عصر کی صف میں لا کھڑا کریں گے۔

ابوعلی کی مکتوب نگاری کے متعدد نمونے ان کے صاحبزادے کے نام اس کتاب (علامہ شبلی اور ابوالکلام) میں موجود ہیں جس میں ان کا زور قلم، انداز تحریر، انتہائی دلچسپ اور پُر از معلومات ہے۔ ظاہر ہے ان کے علمی خطوط جو ادبی شخصیات اور سیاسی قائدین کے نام ہونگے اپنی قدر و قیمت کے لحاظ سے بھی اہم ہوں گے۔

ابوعلی میرے مشفق اور مربی بزرگ تھے میرے والد سے ایک خاص تعلق ہونے کی بنا پر وہ مجھ پر بہت مہربان تھے۔ شبلی منزل میں ان کا کمرہ میرے لیے خاص کشش کا باعث تھا۔ مجھے جن رسائل اور کتابوں کے پڑھنے کا شوق ہوا تقریباً بلا تکلف کسی اندراج کے بغیر لے جانے دیتے کبھی کبھی معارف کے کتابت شدہ مضامین کی تصحیح کرتے وقت مجھے بھی شریک کر لیتے، مجھ سے پڑھوا کے میری غلطیاں بتاتے اور اصلاح کرتے جاتے۔

ان کی اس تربیت نے مجھے رسالوں، کتابوں سے دلچسپیاں پیدا کی اور لکھنے پڑھنے کی شد بد پیدا کی میں نے ساری زندگی ان سے فیض اٹھایا۔ ان کے یہاں گاہ بگاہ حاضری دیتا بھولے بھٹکے حقیر سا ہدیہ لے جاتا، انتہائی خوش ہوتے کسی عزیز کے ہاتھوں بمبئی یا دہلی کے تبرکات بھیجتا۔ میں اپنی بے معنی تصانیف پہونچاتا، ایسے محبت بھرے خطوط لکھتے اور اتنی تعریفیں کرتے کہ میں جن کا اہل تو کیا مستحق بھی نہ تھا۔

میرے پاس درجنوں خطوط محفوظ ہیں جس میں ذاتی خاندانی تذکروں کے علاوہ مجھ سے کتابوں کی فرمایش کرتے دیوانِ غالب، یادگارِ غالب، مولانا آزاد، خلیق احمد نظامی، غالب کے خطوط، مرتبہ خلیق انجم، غالب نامہ کا حافظ محمد خان شیرانی نمبر مثالاً یاد ہیں جو وہ اپنی ذاتی لائبریری کے لیے قیمتاً منگواتے نہ جانے میں ان میں کس کس کی تعمیل کر سکا یا نہیں۔

ابوعلی دارالمصنفین میں آنے والوں سے مل کر بہت خوش ہوتے اور اپنی تحسین وتنقید کا اظہار میرے نام خطوط میں کرتے ، پرفیسر مشیرالحق کی شہادت پر انھوں نے مجھے تفصیل سے خط لکھا۔

''۱۰/اپریل ،۱۹۹۰

حافظ محمد شعیب صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ وبرکاتہ، آج مشیرالحق بحری آبادی کے بے دردانہ قتل پر آپ کو تعزیت کا خط لکھ رہا ہوں کل اس کا علم مجھکو شبلی منزل کے عبیداللہ کوٹی سے ہوا اور ان کی پوری تصویر نگاہوں کے سامنے پھر گئی اور مدرسہ اسلامیہ باغ میر پٹیو کی مدرسی سے کشمیر یونیورسٹی کی وائس چانسلری تک ان کی تدریجی زندگی کی ترقی کا پورا منظر چشم تصور کے سامنے آ گیا میرے نام مشاہیر علم وادب کے خطوط ہیں ان کے بھی دو ایک عدد خطوط ہیں جو میرے لیے سرمایۂ فخر ہیں۔

ان سے آخری ملاقات مولانا شاہ معین الدین کی زندگی میں شبلی منزل میں ہوئی تھی جہاں دونوں بھائی یعنی مشیرالحق خود اور محی الحق (مقیم کراچی ،مصنف ،ادیب اور سوانح نگار) ٹھہرے تھے۔مشیرالحق کی حیات سلیمان (۱) پر تنقید ،اسلام اور عصر جدید میں' نکل چکی تھی جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ جب مولانا سید سلیمان ندوی کی تحریریں مل گئی ہیں تو ان کے شائع کرنے میں اتنی تاخیر کیوں کی گئی اس تنقید پر شاہ معین الدین بہت برہم تھے اللہ تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے۔طبعاً وہ بہت شریف اور نیک تھے اگرچہ میری طرف ان کا التفات بہت کم ہو گیا تھا مگر میرے دل میں ان کی بڑی قدر تھی۔

ایک ادیب اور اچھے مقالہ نگار کے ناطے وہ جامعہ ملیہ کے ممتاز استاد، جامعہ کے اڈیٹر اور ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر پروفیسر ضیاءالحسن فاروقی سے بھی برابر مراسلت کرتے

---

(۱) مولفہ شاہ معین الدین، (۲) ضیاءالحسن فاروقی صاحب دارالمصنفین کی مجلس منتظمہ کے رکن تھے۔

رہے اپنے مضامین کی اشاعت اور اپنے لڑکے کے لیے کسی ملازمت سے متعلق لکھتے (۲) اور وہاں مولوی عبدالباری ان سے مل کر بہت خوش ہوتے ۲۱ اگست ۱۹۸۱ء کے میرے نام ایک خط میں ضیاءالحسن صاحب سے ملاقات پر اپنے تاثرات لکھے:

''آپ سے ضیاءالحسن فاروقی صاحب کو بڑی محبت ہے اور ان کو آپ لوگوں کی وجہ سے مجھ سے بہت انس ہوگیا ہے اور جب آتے ہیں اتنا اخلاق کے ساتھ پیش آتے ہیں ان کی مہربانیوں کے لیے بس زبان سے شکریہ ادا کروں ان سے میرا بہت بہت سلام عرض کیجئے اور دعائے صحت کی درخواست کیجئے۔

ایک ادیب کو اپنی قلمی کاوشوں کو شائع کرنے اور محفوظ کر لینے کا جو احساس ہوتا ہے وہ ابو علی میں بھی تھا اور یہ بھی کہ ان کی تحریر کا ردعمل کیا ہوگا اسے ایک استاد ہی سمجھ سکتا ہے چنانچہ اس کی ایک مثال ابوعلی اور پروفیسر ضیاءالسن فاروقی کے نام ۴/مارچ ۱۹۸۱ کے مراسلہ میں پائی جاتی ہے۔

جامعہ میں مولانا اسلم جیراجپوری پر میرے ھفوات چھپنے کے بعد میں نے خدام ندوہ کے عنوان سے اپنے مقالات کی ایک اور قسط بھی محترمی ضیاءالحسن فاروقی کے پاس جامعہ میں اشاعت کے لیے بھیجی تھی۔ جس میں ندوہ کے نصاب میں صنعتی تعلیم شامل کرنے پر کچھ تعرض بھی تھا۔ ضیاءالحسن فاروقی نے مجھکو لکھا کہ تعریض والا حصہ نکالنے کے بعد مضمون انشاءاللہ چھپ جائے گا اس لیے درمیان میں میں نے ان کو یاددہانی بھی کرائی پھر بھی وہ نہیں چھپا۔

یحییٰ اعظمی اور ابوعلی کی شخصیت مزاح و کردار اور میلان طبع کا اندازہ ناظرین کو بخوبی ہوگیا ہوگا۔ ابوعلی کا علم لوگوں کو اپنے دائرۂ تنقید و تعریض میں لانے پر کوئی تکلف نہیں محسوس کرتا تھا چنانچہ ان کی جنبشِ قلم کی ایک غیر ارادی چھینٹ بھی بہتوں کی تسکین کا باعث ہوتی اور جیسا کہ مولانا ماجد دریابادی، سید سلیمان ندوی، شاہ معین الدین ندوی اور صباح الدین عبدالرحمٰن ندوہ کے ارباب حل وعقد دیوبند کے مولانا حسین احمد مدنی کو نہیں بخشتے صباح الدین عبدالرحمٰن کے زود اور کثیر التصانیف ہونے کے بارے میں انھوں نے میرے نام ۳۱ اگست ۱۹۸۲ میں ایک خط لکھا جس

کا اقتباس اگر ایک طرف صباح الدین عبدالرحمٰن کو سرخرو کرتا ہے تو دوسری طرف اس میں ابوعلی کی دبی ہوئی چشمک اور بے بضاعتی کی جھلک بھی ملتی ہے۔

''اسی کے طفیل میں اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر صباح الدین صاحب کے زیر اہتمام یہاں کے سہ روزہ سیمینار میں بھی آپ کی شرکت ہوگئی جو صباح الدین (اندازِ خطاب ملاحظہ ہو) کی خوش قسمتی اور اقبالمندی سے مجموعی حیثیت سے بہت کامیاب رہا جس کی وہ خود اپنے قلم سے اس روداد کو معارف میں مسلسل لکھ رہے ہیں اور اس کی پانچ قسطیں شائع ہو چکی ہیں۔صباح الدین صاحب کو بھی ہر موضوع پر لکھنے کا خوب ملکہ ہو گیا ہے اب تو لوگ ان کو اردو کا صاحبِ طرز انشا پرداز سمجھنے لگے ہیں۔اور ان کی تحریروں پر مبارکباد دے رہے ہیں۔ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کی تاریخ پر ان کی بڑی گہری نظر ہوگئی ہے اور اس میں تو ان کو اتھارٹی حاصل ہوگئی ہے۔''

ساری زندگی لوح وقلم کی پرورش کرنے والا شخص، گھس گھس کر مرنے سے ڈرنے والا ،اور موت اسے اس طرح اپنے پنجے میں لے لے کہ اس کو اس کی خبر بھی نہ ہو بالآخر،۹۰ سال کی عمر میں راہی ملک عدم ہوا اور میری ڈائری میں ان کے آخری صفحات انھیں کے قلم سے ان الفاظ میں ثبت ہیں۔

''گھس گھس کر مرنے سے بہت ڈرتا ہوں مگر اللہ تعالیٰ کو جو منظور ہوگا وہی ہوگا۔اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم کا معاملہ فرمائے اسی کی آس ہے۔مجھے جینے کی ہوس نہیں کرنی چاہیے۔میں حکیم صاحب کے قافلے کا آخری مسافر ہوں سب کے سب بتدریج اللہ کو پیارے ہو گئے۔قافلہ سالار بھی چلا گیا اب میں اپنے آپ میں تنہا ہوں۔

عبدالباری۔''

تعلیقات

سعید انصاری ڈاکٹر

وہ ۱۹۰۴ء میں آصف گنج اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے، مدرسہ اسلامیہ میں ابتدائی تعلیم قرآن، فارسی اور اردو سے ہوئی، پھر ۱۹۱۴ء میں شہر کے مشہور مشن اسکول میں داخل ہوئے مگر ۱۹۲۰ء میں گاندھی جی کی عدم تعاون میں شامل ہوکر کاشی ودیا پیٹھ، بنارس میں داخلہ لیا، ۱۹۲۱ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی آئے اور زندگی بھر پہلے متعلم اور پھر معلم کی حیثیت سے اس ادارہ سے وابستہ ہوگئے۔

ذاکر صاحب کی نظر انتخاب پڑ جانے کے بعد تدریسی عملہ میں ۱۹۲۹ء میں، شامل ہوئے تھے اور انھیں کے مشورہ اور تعاون کی بنا پر ۱۹۳۱ء میں کولمبیا یونیورسٹی، نیویارک گئے جہاں بقول خود ان کے ۳ سال کی مدت میں تعلیم کے حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ جز وقتی کام بھی کرتے رہے۔

واپسی میں ذاکر صاحب نے ان کو گاندھی جی کے بنیادی تعلیم کے عملی معاملہ کو تعلیم کا جز بنانے کے لئے استادوں کے مدرسہ کا پرنسپل بنادیا جہاں وہ مدتوں اس عہدہ پر کام کرتے رہے اور جامعہ کے حیاتی رکن ہونے کی وجہ سے یہاں کے اہم قبرستان میں محوخواب ہیں وفات ۱۹۸۴ء

سعید انصاری شروع سے لکھنے پڑھنے والے آدمی تھے، طالبعلمی کے زمانہ میں، رسالہ الناظر میں شبلی اردو کے بہترین انشاء پردازوں کے انعامی مقابلہ میں ''اردو کے عناصر اربعہ میں مولانا شبلی کا درجہ مضمون لکھ کر اول انعام پایا جس کی بدولت ملک پر شہرت ہوئی، مولانا محمد علی نے اپنے روزنامہ ھمدرد میں کام کرنے کی دعوت دی اور ایک سال وہاں بھی کام کیا، ذاکر صاحب کی

فرمائش پر جان سٹوراٹ مل کی کتاب ''لبرٹی'' کا ترجمہ آزادی کے نام سے کیا اور شائع بھی کر دیا، مشہور عربی اسکالر ابن خلدون کے مقدمہ پر ریسرچ کے سلسلہ میں وہ شانتی نکیتن میں مشہور مستشرق پروفیسر جرمانوس کے شاگرد بھی رہے۔

ترجمہ اور مضمون نگاری کے علاوہ درس وتدریس کے ماہر ہونے اور مدتوں کے تحریر کی بنا پر تعلیم اور نفسیات پر، تعلیم اور سماج، ہندوستانی تعلیم اور عصری تعلیم جیسی کتابوں کے مصنف ہیں، اتر پردیش اور بہار اردو اکادمی نے ان کو انعام سے بھی نوازا۔

سعید انصاری قومی تحریک میں ہمیشہ شریک رہے، گاندھیائی نظریہ اور کھدر پوشی ہمیشہ اوڑھنا، بچھونا رہا، دارالمصنفین کی مجلس شوریٰ کے ممبر برسوں رہے اور وطن کبھی نہ بھولے حکیم اسحٰق اور یحییٰ اعظمی سے دوستانہ اور مخلصانہ روابط تادم آخر قائم رہے۔

عبدالرزاق قریشی

عبدالرزاق قریشی ۱۹/اپریل ۱۹۱۳ء کو بسہم، ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے، ان کی تعلیم ابتدائی ہو یا اعلی، دونوں میں سے کسی کا کوئی رکارڈ نہیں ملتا وہ کب بمبئی آئے اور اپنی مادری زبان اردو، تہذیبی زبان فارسی اور عصری زبان انگریزی میں عالمانہ دسترس کس طرح حاصل کر لی، اس کا ذکر انھوں نے اپنی کسر نفسی اور صوفیانہ مزاج کی بنا پر کبھی نہ کیا اور نہ ان کے کسی دوست یا ساتھی کے قلم سے اس کا انکشاف ہوا۔

وہ پہلے ایک استاد کی حیثیت سے بمبئی کے انجمن اسلام ہائیر سکنڈری اسکول اور غالباً صابو صدیق اسکول میں ملازم ہوئے اور بمبئی کے اسکولوں کے بہترین اساتذہ میں شمار ہوئے، پھر وہ انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں بحیثیت ریسرچ اسسٹینٹ کام کرتے رہے، جہاں سید نجیب اشرف ندوی صاحب ڈائریکٹر تھے قریشی صاحب نے اپنے دم سے اور محنت اور دیانت سے اپنا انتہائی سنجیدہ اور علمی مقام حاصل کیا، اور تحقیق وتنقید کے صحتمندانہ اصولوں کے تحت جو کارنامے انجام دئے ان میں مکاتیب مرزا مظہر جانجاناں، دیوان عزلت مبادیات تحقیق اور

تاثرات، اپنی اپنی جگہ مستقل اور قابل قدر تصانیف کا درجہ رکھتی ہیں۔

علاوہ ازیں انہوں نے اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے سہ ماہی مجلّہ نوائے، ادب کے مضامین کی تصحیح اور طباعت کے ساتھ ساتھ اس میں نقد ونظر اور تحقیق سے متعلق صفحات اور مندرجات کا معیاری کارنامہ انجام دیا اور علمی حیثیت سے ہند و پاک کے نوجوان اور باصلاحیت مصنفین میں شمار ہونے لگے۔قریشی صاحب نے اپنے علم اور ایک اچھے استاد ہونے کی بنا پر بمبئی جیسے بڑے شہر میں مقبولیت حاصل کی، ان کے شاگردوں کا کوئی شمار نہ تھا، وہاں کے ہر محکمہ اور حلقہ میں ان سے تعلیم حاصل کرنے کی بنا پر، نہ صرف ان کا احترام کرتے تھے، بلکہ اکثر و بیشتر ان کے یہاں حاضری دینے اور ان کی کسی خدمت کو انجام بجالانا فخر سمجھتے تھے، یہی حال اساتذہ کا تھا کہ بیشتر اساتذہ ان کو نہ صرف اچھی طرح جانتے تھے بلکہ ان کے رہین منت بھی تھے اور تدریس وتعلیم کے مسائل سے لے کر اپنے شخصی معاملات میں ان سے مشورہ اور مدد لیتے۔

قریشی صاحب کا معروف حلقہ، سید نجیب اشرف ندوی، جیسے بزرگ سے لے کر سید شہاب الدین دسنوی، خلیفہ ضیاؤ الدین، پرنسپل انجمن اسلام ہائر سکنڈری اسکول، مولانا مہر محمد خاں شہاب مالیر کوٹلوی، رفیق ذکریا، عبد الرحمٰن انتولے اور سیف طیب جی وغیرہ جیسے اساتذہ علم وسیاست سے بے حد قریبی تھا اور وہ ان لوگوں سے گہرے روابط رکھتے اور اکثر وہ ان لوگوں کے ہاں تنہا جاتے، سیف طیب جی پر ان کا ایک چھوٹا سا رسالہ، قریشی صاحب کی لوگوں سے بے غرض تعلق قائم رکھنے کا بین ثبوت ہے، تأثرات میں ان کے شخصیات پر رقم شدہ مضامین ان کی علم دوستی اور انشاء پردازی ہی نہیں بلکہ ایک مثالی انسان دوست شخصیت ہونے کی دلیل ہے۔

قریشی صاحب نے بمبئی میں رہ کر اپنے گاؤں، ضلع، اعزہ اور معمولی احباب کو فراموش نہیں کیا اور طرح طرح کے لوگ ان کے پاس ملازمت دلوانے مالی مدد چاہنے حتی کہ اس بڑے شہر میں اپنے قیام کی مشکلات کو حل کرنے والے ان کے پاس آتے رہتے اور مطمئن ومسرور جاتے، قریشی صاحب اپنے وطن کے آشنا اور متعدد شہروں میں قلمی دوستوں کی فرمائشات بھی پوری کرتے

اور تحفے تحائف بھیجتے رہتے اور خط و کتابت کرتے رہتے۔

ان جیسے صوفی منش کی عنایات اور بے لوث تعلق کا لذت آشنا میں بھی ہوا، انھوں نے مجھے پہلی بار کتابوں پر تبصرہ لکھنے کا طریقہ سکھایا اور شاہ معین الدین صاحب کی تصنیف ''ادبی نقوش'' پر کئے گئے میرے تبصرہ کی اصلاح کی اور نوائے ادب میں شائع کیا، انھوں نے اسی رسالہ کے ''مقالہ نما'' حصہ میں کام کرنے والے لوگوں میں مجھ جیسے کم علم کو شامل کیا اور تحقیق کے ابتدائی طریقہ کار سے آشنا کرایا، انہوں نے تنقید پر دو انگریزی کتابیں پڑھنے کو دیں جو مجھ جیسے نیازمندانہ انگریزی زبان جاننے والے کے لئے مشکل تھیں، میں ان کو مکمل طور پر نہ ختم کرنے اور نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے استفادہ نہ کر سکا، ہاں اتنا ضرور ہوا کہ مجھے تنقید سے دلچسپی پیدا ہوگئی۔

قریشی صاحب کے یہاں تقریباً بلا ناغہ حاضری ہوتی جہاں اور لوگوں کے ساتھ علمی، ادبی اور کبھی کبھی سیاسی گفتگو ہوتی، انھیں کی خدمت میں مولانا مہر محمد خاں شہاب مالیر کوٹلوی، پروفیسر آدم شیخ، پروفیسر نظام الدین گوریکر، پروفیسر محی رضا، پروفیسر عبدالقوی دسنوی، ڈاکٹر ضمیر احمد خاں ڈاکٹر خورشید نعمانی ردولوی اور نبی احمد خاں جیسے لوگوں سے ملنے اور فیض حاصل کرنے کا موقع ملا، ان کے تربیت یافتہ اساتذہ میں ڈاکٹر خورشید نعمانی ردولوی نے علمی حیثیت سے بہت شہرت پائی، مجھے یاد نہیں کہ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی نے ان کی تربیت سے فیض اٹھایا یا نہیں مگر انہوں نے بھی تصنیف و تالیف، درس و تدریس کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

قریشی صاحب بظاہر تو مذہبی نہ تھے مگر بباطن وہ بڑے بڑے دینداروں سے بدرجہا بہتر تھے کم گوئی اور ایک خاص قسم کی مزاح آمیز گفتگو پر بے تکلف لوگوں میں منفرد انداز کی مسکراہٹ، ہم سب لوگوں کے لئے بڑی کشش رکھتی تھی وہ عموماً سال بھر بشرٹ اور پینٹ پہنا کرتے اور جب اعظم گڈھ میں دارالمصنفین تشریف لاتے وہ چوڑی مہری کا پاجامہ، شیروانی معہ ٹوپی، ملبوس ہوتے اور باقاعدہ نماز بھی ادا کرتے۔

میں ان کی قربت اور رفاقت کا زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکا اور نہ ہی ان کے حالات کا زیادہ

وہی جذبہ ہے پھر اللہ کے بندوں کی خدمت کا
کہ پھر قدرت نے مصروفِ مداوا کردیا تجھ کو

''نمازِ شکر'' کا عنوان اُن کی خوشی کا بہترین اظہار ہے۔ جس میں یحییٰ کا جذبہ دوستی اور اُن کے ممدوح کا مرتبۂ خدمتِ خلق کس خوبصورت شکل میں پیش ہوا ہے:

جُھک گیا پیشِ حق سر عجز و نیاز اور بھی ہوگئی وہ جبینِ شکر وقف نماز اور بھی
کیفیتیں نہ پوچھیے آج دعائے صبح کی بڑھ گیا قلب و روح کا سوز و گداز اور بھی
خلقِ خدا پہ کل تلک جس کی نوازشیں تھیں عام ہوگئی وہ نگاہِ مہر ذرّہ نواز اور بھی
طبعِ حزیں کے چارہ ساز! اور ہی تیری بات ہے یوں تو ہیں بزمِ دہر میں نسخہ طراز اور بھی
درد و الم کی شدّتیں وجہِ قبول بن گئیں دونوں جہاں میں ہوگیا پایہ فراز اور بھی

خدمتِ خلق کے لیے تجھ کو خدا نے دی شفا
بارِ الٰہ ہو تیری عمر دراز اور بھی

یہ اظہارِ تشکر اُردو کے علاوہ فارسی میں بھی ہوا جو یحییٰ کی فارسی سے علاقہ اور دلچسپی کا بیّن ثبوت ہے:

نہ تنہا چارہ ساز و محرم رنج و محن ہستی
بگو ای محترم! آخر نہ خود مولائے من ہستی
فدایت چون نباشد جان و دل ای مہربان من
کہ از روز ازل غم خوار جان پر محن ہستی
جہان چارہ سازی مثل تو دیگر نمی بینم
مگر سر تا قدم مجموعۂ خلقِ حسن ہستی
نگہدارد ترا از آسیب دوران رحمت باری
کہ چارہ ساز طبع دردمن جان و تن ہستی

علم ہو سکا اور نہ ہی ان کی بزم خاص کا محرم راز بن سکا انھوں نے غالباً مجرد زندگی گزاری اور ان کی یادگار ان کے ادبی آثار اور ڈاکٹر نعمانی جیسے لائق علمی شاگرد ہیں۔

قریشی صاحب کے بارہ میں یہ خبر تھی کہ وہ دارالمصنفین چلے آئیں گے اور وہاں کے رفیق کی حیثیت سے مستقل قیام پذیر ہوں گے اور ہم لوگوں کے اور قریب ہو جائیں گے مگر شومئی تقدیر کہ وہ ہمیشہ بمبئی میں رہے اور گھر والوں سے ملنے بسہم آئے تھے کہ یکا یک قلب کی تکلیف میں بہت تھوڑے دن مبتلا رہ کر، ۳۰ جولائی، سنیچر کے دن، بوقت ظہر خاموشی سے رخصت ہو گئے اور سالہا سال وطن سے دور رہ کر بھی بسہم میں خاندانی قبرستان کی مٹی میں مل گئے۔

قریشی مرحوم نے اپنی بزرگانہ شفقت اور عالمانہ طبیعت سے مجھکو بہت متاثر کیا، میں نے زندگی کی اس طویل شاہراہ پر اپنے محدود حلقے میں ایسی منکسر المزاج اور وسیع القلب شخصیت نہیں دیکھی اور ۱۹۷۷ء سے ۱۹۹۵ء کے لمبے عرصہ گزر جانے پر بھی ان کا مسکراتا ہوا بے ریا اور بے عیب سراپا میرے اس وقت اس ذکر کرتے وقت اپنی پوری صداقت کے ساتھ روشن ہے جیسے ان کی تحریریں جو ذیل کے پیراگراف میں اپنا ثبوت آپ ہیں۔

''اخلاق کا سرچشمہ حقیقۃ مذہب ہے اس کی تلقین سب سے پہلے مذہب کے ذریعہ ہوئی اور اس کی اہمیت انبیا نے بتائی اخلاق کے بغیر انسان اپنے تمام زہد و تقوی کے باوجود مکمل انسان نہیں ہو سکتا اسی لئے رسول پاک نے اپنی بعثت کا مقصد اصلی اخلاق کی اصلاح بتایا اور اپنے پیروؤں سے فرمایا تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں (حکمائے قدیم کا فلسفہ اخلاق)(۱)''

پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی

پولیٹیکل سائنٹسٹ۔ تاریخ اسلام کے مبصر، ترکی کے تاریخی اور ادبی اور دانشورانہ انقلاب سے آشنا، ہندوستان کی مسلم صحافت کے نباض، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے جامعہ

(۱) تاثرات ص ۱۴۴، معارف پریس، اعظم گڑھ ۱۹۶۹ء

کالج کے پرنسپل، جامعہ کی علوم انسانی اور زبانوں کی فیکلٹی کے ڈین، اسلامیات کے پروفیسر، ڈاکٹر ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کے ڈائریکٹر، اسلام وعصر جدید اردو انگریزی کے سہ ماہی مجلوں کے مدیر، جامعہ، اردو کے اڈیٹر اور گاہے بگاہے جامعہ کے وائس چانسلر کی نیابت کے عہدے سے بھی سرفراز رہے ہیں۔

ان متعدد حیثیتوں میں ضیاء الحسن فاروقی نے اپنی تمامتر بہتر صلاحیتوں کا ثبوت دیا۔ پروفیسر سید عابد حسین، پروفیسر محمد مجیب ذاکر صاحب، مولانا اسلم جیراجپوری، دیوبندی علماء اور جمعیۃ العلماء کے اکابرین دینی اور نظریاتی مکتب کا بہت بڑا ورثہ اُن کی شخصیت کا جُز بنا وہ مولانا ابوالکلام آزاد کے صف اولین کے عقیدتمندوں اور سیاسی، نظریات کے شدید حامیوں میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ ساتھی اساتذہ ابتدائی جامعہ کالج کے طلبہ دہلی کے اسکولوں کے اساتذہ طالب علم اور انتظامی اسٹاف کے بڑے اور چھوٹے ملازمین اور عوامی حلقوں میں ان کی شناخت اور مقبولیت سے کون واقف نہیں؟

ادبی حیثیت قدیم اور جدید اردو ادب، فارسی تاریخ عالم سے یک گونہ دلچسپی، شعر فہمی نثر ونظم میں ناقدانہ اور انشاء پردازی کے انداز اور تصوف سے یک گونہ دلچسپی ضیاء صاحب کے سراپا میں شامل تھی اور وہی چیز ان کے شذرات، مضامین اور خطبات میں نمایاں ہوتی۔ حضرت جنید بغدادی فوائد الفواد کا انگریزی ترجمہ ''شہید جستجو، ہندوستان آزادی کی راہ پر، ترکی کے ارکان ثلاثہ، ان کی تحقیقی تنقیدی صلاحیتوں کا نمائندہ ہیں۔ حیات حافظ اور حیات جامی، مصنفہ مولانا اسلم جے راج پوری ان کی تدوین نو سے سرفراز ہوئیں۔

ضیاء صاحب کے امریکہ، شرق وسطی، پاکستان، ایران کے سفروں کے تأثرات ان کے جمہوری اور انسان نوازی بشر ودوستی کا اعلی شاہکار ہیں ان کی نرم مزاجی شگفتہ بیانی، آداب مجلسی اور فنون لطیفہ سے ان کی غیر معمولی دلچسپی ان کے حلقے کو وسیع تر بناتی رہی ہے، احباب، بزرگ و خوردان کے حسن سلوک اور انداز گفتگو کے مرید تھے جس میں حقیر بھی پیش پیش تھا۔

وہ دارالمصنفین اور ندوۃ العلماء کی منتظمہ اور مشاورت کو بھی اپنی مفید آراء سے مستفید کرتے رہے۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی، شاہ معین الدین ندوی اور صباح الدین عبدالرحمن سے حسب مراتب تعلقات رہے۔ ضیاء الحسن فاروقی طبعی عمر سے پہلے ہی مختصر سی بیماریوں کا شکار ہوئے اور افسوس صد افسوس ۲۶ رجولائی ۱۹۹۶ء کو آخرت کا رخت سفر باندھ لیا جامعہ ملیہ کے عمومی قبرستان میں آرام فرما ہیں۔

پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی کی تقریر و تحریر میں بڑی شگفتگی اور سلاست کے ساتھ دبستان شبلی کی انشا پردازانہ لطافت بھی تھی۔ خصوصاً ان کے شذرات جامعہ اُن کی فکر اور تحریر دونوں کے بہترین نمایندہ تھے۔ اردو کی نثر میں فارسی اشعار کا پیوند ان کی فکر کو رنگین بنا دیتا تھا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی ایک جوبلی موقع پر ان کے شذرات عرض خدمت ہیں۔

شذرات

۲۹ راکتوبر کو جامعہ ملیہ اسلامیہ کی نیو شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے مقدس ہاتھوں نے رکھی تھی۔ اس لئے ہم اہل جامعہ ہر سال اس تاریخ کو خاص طور سے یاد رکھتے ہیں۔ ان عزائم سے اپنے دلوں کو گرماتے ہیں۔ جو اس کے بانیوں کے دلوں میں تھے اپنے کاموں کا جائزہ لیتے ہیں، کہ جامعہ کے مقاصد کیا تھے، اب کیا ہیں اور ہمارے فکر و عمل کہاں تک ان سے ہم آہنگ ہیں۔ مرحوم روش صدیقی نے جامعہ کے جشن زریں کے موقع پر شعلۂ ایمان کے عنوان سے ایک نظم کہی تھی۔ انھوں نے اس نظم میں ایک تمنا کا اظہار کیا تھا، آج بھی ہماری یہی تمنا ہے، روش نے کہا تھا:

جامعہ، معجزۂ خون جگر کی تخلیق
جیسے ظلمت میں ہو اک بام چراغاں پیدا
آج اس شمع دل افروز کے پروانوں میں

کچھ لگن بھی ہے، لگاوٹ بھی ہے، کچھ لاگ بھی ہے
دل میں پیوست ہے اک نشتر خودداری بھی
وقت گاتا ہے جسے لب پہ وہی راگ بھی ہے
سوز پنہاں بھی ہے اور سازِ سکوت افشاں بھی
جس سے افکار پگھل جاتے ہیں وہ آگ بھی ہے

کاش اس آگ سے ہو شعلۂ ایماں پیدا !

۲۹ر اکتوبر کو ہم یہ بھی شمار کرتے ہیں کہ جامعہ کو قائم ہوئے کتنے برس بیت گئے۔ امسال ۲۹ر اکتوبر کو جامعہ کی عمر ۵۷ برس کی ہو چکی۔ ۵۷ برس کی اس کی تاریخ رنگا رنگ نقوش سے معمور ہے، اگرچہ کبھی کبھی یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ نصف صدی سے زیادہ کی یہ مدت محض ایک لمحہ ہے۔ ایک ایسا لمحہ جو اپنے اندر تعمیر و حسرت تعمیر، امیدوں اور نا امیدیوں، حوصلہ مندیوں اور درماندگیوں کی ایک دنیا چھپائے ہوئے ہے۔ کیسے کیسے پاک سیرت و پاک نظر انسان تھے۔ جنھوں نے رنج و غم اور امید و بیم کی سخت گھڑیوں میں اسے زندہ رکھا۔ پھر قومی کام کا ایک نقشہ بنایا اور لوگوں کو اس طرف متوجہ کیا۔ انجذاب توجہ و نظر کی یہ کیفیت ایسی تھی جسے بوریہ نشیں درویشوں کی طرف شاہوں اور منعموں کی احترام کی نظر اٹھتی ہے یا جسے رات کے سناٹے میں کہیں دور سے جرس کی آواز آ رہی ہو، اس آواز میں اتنی تاثیر ہو کہ لوگ دیر تک اسے سنتے رہیں اور محسوس کریں کہ یہ تو ان کے دل گم گشتہ ہی کی پکار ہے اور انھیں عزم سفر کی دعوت دے رہی ہے۔ کامل پچپن سال تک جامعہ ملک کے سیاسی ہنگاموں سے الگ رہ کر ویرانے میں چمن بندی کا کام کرتی رہی۔ اس کا یہ کام چھوٹا تھا یا بڑا، یہ محض دیوانگی تھی یا اس دیوانگی میں فرزانگی کا بھی شائبہ تھا، ارباب نظر ہی اسے جانچ سکتے ہیں، پرکھ سکتے ہیں۔

جامعہ والے باغبانی صحرا کا قانون رقم کرتے رہے، یا یوں کہئے کہ جنون کی حکایت

خونچکاں لکھتے رہے اور اس قبیلے کی آنکھ کا تارا وہ مردِ حق آگاہ تھا جس نے اپنی زندگی کے بہترین مہ و سال اس چمن کی آبیاری میں صرف کر دئے۔ ہماری مراد ذاکر صاحب مرحوم سے ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ذاکر صاحب نہ ہوتے تو شاید جامعہ کا قیام عمل میں نہ آتا اور اس کے قائم ہونے کے بعد مرحوم نے اگر اپنی تمام ذہنی اور روحانی صلاحیتوں کو اس کے لئے وقف نہ کر دیا ہوتا تو غالباً آج یہ باقی نہ ہوتی۔ رحمت خداوندی کے سرچشمے سے ذاکر صاحب کو بہت کچھ ملا تھا۔ انھوں نے وہ سب کچھ جامعہ کی نذر کر دیا اور آج اسی کا نتیجہ ہے کہ جامعہ نگر کی تعلیمی بستی دنیائے علم و ادب میں اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہے اور گو ذاکر صاحب نہیں ہیں لیکن ان کی نیکیاں باقی ان کے کارنامے اور ان کے افکار زندہ ہیں:

گو نہیں ساقی مگر ساقی کا جام آتشین
رات دن گردش میں رندوں کی بھری محفل میں ہے

میجر علی حماد عباسی

علی حماد عباسی بھی خلیل الرحمٰن اعظمی کی طرح مولوی عبدالباری ابوالعلی اعظمی کے پروردہ اور علمی شاگرد ہیں اور اگرچہ وہ اس شہر سے ہی وابستہ ہو کر رہ گئے مگر اپنی ذہنی، فکری اور خلاقانہ صلاحیتوں کو شبلی نیشنل پوسٹ گریجویٹ کالج کی مدرسی اور دارالمصنفین سے ادبی اور تہذیبی رشتہ کی وجہ سے تیز تر اور اجاگر کرتے رہے اور انگریزی زبان و ادب کے استاد ہونے کے ساتھ ساتھ قدیم و جدید اردو ادب کی تحقیقی اور تنقیدی تاریخ سے گہری دلچسپی رکھتے رہے۔

علی حماد عباسی نے شبلی کالج سے فارغ ہو کر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے انگریزی میں ام۔اے اور ساتھ ہی قانون کی ڈگری حاصل کی اور اسی زمانہ قیام میں علیگڑھ کی ادبی اور سیاسی سرگرمیوں اور تحریکات سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اگر ایک طرف وہ پروفیسر بوس اور پرفیسر اسلوب احمد انصاری جیسے اساتذہ کے علمی اثاثہ سے انگریزی زبان و ادب، شاعری اور خصوصاً تنقیدی صنف سے فیضیاب ہوتے رہے تو دوسری طرف مونس رضا مرحوم کے حلقہ شاگردان میں شریک

ہوکر ملک کی بائیں بازو کی سیاسی اور ادبی تحریک کے رکن بھی رہے۔خلیل الرحمان اعظمی ،باقر مہدی اور صابرہ زیدی ان کے علمی اور ادبی مذاق کے ہمسفر تھے۔

شبلی کالج میں انگریزی کے استاد تھے مگر اردو اور ہندی ادب کے گہرے مطالعہ اور انگریزی ادب سے غیر معمولی دلچسپی کی بنا پر کالج کے ممتاز اساتذہ میں شمار ہوئے ،ملٹری سائنس کی ٹریننگ حاصل کی اور اور ہندوستان کے مختلف فوجی مرکزوں میں تربیت پا کر میجر کے عہدہ کے اہل بنے اور شہری انتظامیہ کے ضلع مجسٹریٹ ،ایس پی ہی نہیں بلکہ نیشنل لیول کے سیاسی رہنماؤں، دارالمصنفین کے ممتاز رفقا خصوصاً شاہ معین الدین ندوی ،سید صباح الدین عبدالرحمان سے سیاسی ،علمی اور ثقافتی شعبوں میں وہ ایک منفرد مقام کے لائق ٹھہرے حتیٰ وہ اسی کالج کے پرنسپل بھی مقرر ہوئے۔

لکھنے پڑھنے کی اعلیٰ صلاحیت پیدا کی بہت اچھے افسانے لکھے اردو شعر وتنقید کے میدان میں ''جدید اردو تنقید اور پیروئ مغربی اور شمس الرحمان فاروقی کا تنقیدی رویہ'' نے انھیں اردو کے عام وخاص حلقہ میں شہرت عطا کی ۔حالی ،کلیم الدین احمد ،خورشید الاسلام ،نیاز فتحپوری ،مجنوں گورکھپوری کی صف میں آل احمد سرور ،اسلوب احمد انصاری ،خلیل الرحمان اعظمی ،حسن عسکری ،ظ۔انصاری ،وحید اختر ،ن۔م۔راشد ،شمس الرحمان فاروقی ،وارث علوی ،باقر مہدی ،اقبال ،غالب ،مولانا علی اشرف تھانوی ،کرشن چندر ،خواجہ احمد عباس ،ٹیگور ،فیض احمد فیض اور شاد عظیم آبادی اور کیفی تو ہیں ہی مگر وہ گوئٹے ،نتشے ،کالرج ،آرنلڈ ،ٹی۔ایس۔ایلیٹ ،میتھیو آرنلڈ ،چسٹرٹن ،برنارڈ شا ،رچرڈسن ،جیمس جوانس ،کولرج ،ایذرا پاؤنڈ ،موپاسان ،سوامی وویکانند ،رادھا کرشنن کی مختلف النوع اصناف ادب سے ہی واقفیت نہیں بلکہ عربی کے قدامہ بن جعفر ،اردو کے خواجہ امداد اثر اور یورپ کے نشاۃ ثانیہ کے تحت جنم لینے والی فنون لطیفہ کی تحریکوں مثلاً امپریشنزم ،سوریلزم ،واوا ازم ،کیوبزم ،اور فیوچررزم کی بہترین معلومات رکھتے تھے۔ان کی ادبی یادگاروں میں ''جدید اردو تنقید پر مغرب کے اثرات اور پروفیسر محب الحسن کی کشمیری تاریخ'' کا

اردو ترجمہ بنظر استحسان دیکھی گئی ہیں۔

میری ان کی ملاقات، میرے والد کے مطب میں ہوئی جہاں وہ بسلسلہ علاج آتے تھے۔ میرے والد نے مجھے ان کے سپرد کیا کہ وہ مجھے انگریزی پڑھائیں اور میں ایک سال تک ان سے انگریزی قواعد پڑھتا رہا۔ پھر وہ علی گڑھ گئے اور ایم۔اے کر کے ۱۹۵۳ء میں شبلی کالج میں انگریزی ادب کے استاد بنے میں بھی اسی سال بی۔اے میں داخل ہوا اور ان کی مہربانی سے شبلی کالج نیشنل کالج میگزین جس کے وہ نگراں تھے کا اڈیٹر مقرر ہوا۔ دو سالہ مدت میں ان کے میرے تعلقات دوستانہ حد تک ہو گئے جو ۴۵ سال تک غمی، خوشی، سفر حضر، مراسلت و ملاقات، قربتوں اور فاصلوں کے ہر حال میں باقی رہے۔

میرے مشفق استاد اور بے ریا دوست زندگی بھر مذہب سے بے گانہ رہے ۱۹۹۶ء میں اپنی بیگم کے ساتھ، مومن چلا ہے کعبہ کو اک پارسا کے ساتھ، کا ورد کر کے حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور واپسی میں اپنے گھر سے ملحق ایک زمین خرید کر مسجد کی تعمیر میں دن رات ایک کر دیا جوان کی زندگی کے بعد مکمل ہوئی۔ ان کی بیگم صاحبہ سے میرے اپنے بیوی بچوں کے وہی تعلقات ہیں اور جب بھی اعظم گڑھ کے قیام میں وہ از راہ اخلاص ملنے آتی ہیں تو مجھے ان کی تحریر کے خاتمہ پر لکھا ہوا اقبال کا یہ شعر یاد آجاتا ہے جو ان دونوں نے اپنی شادی کی خوشی میں بطور دعوتنامہ کے مجھے بھیجا تھا۔

مقام عقل سے آساں گزر گیا اقبال
دیار عشق میں کھویا گیا وہ فرزانہ

اور جس کی توجیہ سے میں آج تک قاصر ہوں۔

ضیاؤالدین اصلاحی:

۱۹۳۷ء میں جیراج پور ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے، گھر پر ہی ابتدائی تعلیم شروع ہوئی پھر پرائمری اسکول نظام آباد سے فارغ ہو کر مدرسہ الاصلاح سرائے میر میں داخل ہوئے اور

طالبعلمی کے زمانہ سے ہی مضامین لکھنا شروع کر دیا اور بعض مضامین، دارالمصنفین کے علمی ماہنامہ معارف میں شائع ہونے کی بنا پر انھیں دارالمصنفین کا رفیق بنالیا گیا جہاں مشہور عالم جناب شاہ معین الدین کی نگرانی میں ان کو تصنیف وتالیف کا بہترین موقع ہاتھ آیا۔

انھوں نے ادبی اور قرآنی موضوعات پر بکثرت مضامین لکھنے کے علاوہ سالہا سال دار المصنفین میں نئی آنے والی کتابوں پر بیشمار تبصرے بھی کئے ہیں، ان کی مستقل تصانیف میں، ہندوستان عربوں کی نظر میں، دو جلدیں، تذکرۃ المحدثین، دو جلدیں علمی اور دینی حلقوں میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئی ہیں، تذکرۃ المحدثین پر ان کو اردو اکادمی، اتر پردیش کی جانب سے انعام بھی مل چکا ہے، وہ اکادمی اور اس کی دیگر کمیٹیوں کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ اور اب اپنے مدرسہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ

ان کے دم سے دارالمصنفین کی علمی، دینی اور تہذیبی روایت زندہ ہے اور وہ اسی لگن اور دلچسپی کے ساتھ معارف کی ادارت اور ادارہ کے مقاصد کے مطابق تصنیف وتالیف کے کام میں مصروف ہیں۔ شاہ معین الدین ندوی اور سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی طرح صدر جمہوریہ کی طرف سے انھیں بھی سرٹیفکیٹ آف آنر کا اعزاز اور تاحیات وظیفہ یابی کا حقدار قرار دیا ہے۔

۱- اس سال اپنے خرچ پر زیارت حرمین سے مشرف ہوئے تھے اور اسی سلسلہ میں اعزہ اور اقارب سے ملنے جارہے تھے کہ جیپ ٹکرا گئی، شدید زخمی ہوئے اور بیگم کے ساتھ بنارس ہندوس یونیورسٹی اسپتال میں داخل کئے گئے مگر جانبر نہ ہو سکے اور ۳ر فروری ۱۹۹۸ء کو مالک حقیقی سے جا ملے۔ ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' غالباً دار المصنفین کے احاطہ میں آسودہ خاک ہیں۔

ان کا آخری مضمون سوانح مولوی روم اور علامہ شبلی نعمانی، راہ اسلام، مرکز تحقیقات خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران دہلی کے ۲۰۰۸ کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔

مؤلف کتاب اور احوال و آثار

نام: شعیب اعظمی

نام پدر: حکیم محمد اسحق

تاریخ تولد: ٤ دسامبر ۱۹۳۲م

جائی تولد: محله کوت، اعظم گر (اُترپردیش) هند.

تحصیلات:

۱: لیسانس — دانشکده شبلی، اعظم گر.

۲: فوق لیسانس (اردو) — دانشگاه آگره، آگره.

۳: فوق لیسانس (فارسی) — دانشگاه اسلامی، علی گر.

٤: لیسانس آموزش، پرورش — دانشگاه جامعه ملیه اسلامیه دهلی نو.

٥: دُکترا (فارسی) — دانشگاه دهلی، دهلی.

عنوان مقاله: "فارسی ادب بعهد سلاطین تغلق."

٦: استخدام:

آموزگار: (فارسی، اردو و تاریخ) دبیر ستان انجمن اسلام بومبائی.

آموزگار: (فارسی، همو و تاریخ) اداره آموزش و پرورش، دهلی نو.

معلم: (فارسی) دانشکده جامعه ملیه اسلامیه دهلی نو.

دانشیار: (فارسی) بخش علوم اسلامی عربی وفارسی، دانشگاه جامعه ملیه اسلامیه دهلی نو.

اُستاد: (فارسی) بخش فارسی، دانشگاه جامعه ملیه اسلامیه دهلی نو.

ریاست: رئیس بخش علوم اسلامی وعربی وفارسی، دانشگاه جامعه ملیه اسلامیه دهلی نو.

ریاست: رئیس بخش فارسی، دانشگاه جامعه ملیه اسلامیه دهلی نو.
ریاست: رئیس انجمن استادان دانشگاه جامعه ملیه اسلامیه دهلی نو.
ریاست: رئیس انجمن استادان فارسی سراسر هند.
تجربه معلمی واُستادی: در حدود ۳۸ سال (فارسی)
علاقهٔ ومیلان: بیشتر به تاریخ و تذکره ونقد ونامه نگاری وزندگینامه وسفرنامه هائی شعرا وشعر آنها ومولفان معروف فارسی.

۷: (**الف**) در حدود ۲۰۰ مقاله بزبان فارسی، اُردو و انگلیسی که در مجله هائی افغانستان وایران وهند بیشتر چاپ شده ودر کنگره ها وسیمنار هائی بین المللی وملی قرأت شده.
(**ب**) ترجمه هائی نویسندگان معروف ایران و افغانستان وترکیه همچو آقایان اسماعیل حاکمی، محمد علی اسلامی ندوشن، آباد فراهانی، عبد الحسین زرینکوب، عبد الباقی گلپینارلی، تحسین یازیجی، دکتر توفیق سبحانی ومحمد ابراهیم باستانی پاریزی. مقاله هائی علمی و تحقیقی آنان همهٔ آن در مجله هائی فارسی و اُردوئی هند چاپ شده. گذشته ازین چندین آثار خطبات ونطق هائی سیاستمداران وفضلائی هندی نیز از فارسی بزبان اُردو برگر دانده که همه از آن چاپ شده.
(**ج**) تألیفات (همه از آن راجع به ادبیات وشعر فارسی واُردو است چنانکه در زیر:

۱: پروانه چراغ مزار خودیم ما تنکره علما وفضلاء ونامواران اعظم گر.
۲: فارسی ادب بعهد سلاطین تغلق شعراء صوفیا سلاطین وادبیات فارسی آن دوره.
۳: صحبت یار آخر شد سفرنامه تاریخی وعلمی وادبی وتمدنی کشور ایران.
٤: شعر فارسی معاسر دری افغانستان احوال شعرا وکلام آنان.

حکیم اسحاق کے سفرِ حج کے موقع پر ابوعلی اثری کے تاثرات پروانہ چراغ (سوانح حیات حکیم اسحاق) مفصل تبصرہ کے ضمن میں درج ہو گئے ہیں۔ یحییٰ اعظمی نے اس مبارک موقع پر دو طویل نظمیں لکھیں۔ ایک حکیم صاحب کے حج پر اور دوسری روضۂ مبارک پر پڑھ کر پیش کرنے کے لئے ۱۹۶۰ء میں حکیم اسحاق نے روضۂ اقدس پر پڑھی اور واپسی میں بمبئی میں مجھ کو یہ کہہ کر دی کہ یہ یحییٰ صاحب نے اس تاکید کے ساتھ دیا تھا کہ اس ہدیۂ عقیدت کا علم پیشکش سے پہلے کسی کو نہ ہو، میں نے یہ فریضہ انجام دیدیا ہے، اب تم اسے سنبھال کر رکھ لو''

افسوس کہ میں اُس وقت اُن دونوں نظموں کو نہ تو پڑھ سکا اور نہ سنبھال کر رکھ سکا۔

لوگ ایسے موقعوں پر طرح طرح کی جا اور بے جا فرمائش کرتے ہیں مگر یحییٰ نے کتنی عجیب اور قابلِ قدر فرمائش کی وہ یہ کہ ''حکیم اسحاق ایک معمولی سا قلم خرید کر اس کی نب کو حجر اسود سے مَس کر کے لے آئیں'' اور ان کے دوست نے یہ سادہ سی خواہش پوری کر دی۔

یحییٰ اعظمی بڑے اچھے نثر نگار بھی تھے، اور شاعری تو ان کی گھٹی میں تھی وہ تلمیذ الرحمان تھے اور اردو، فارسی، عربی اور کسی قدر ضرورت کے مطابق انگریزی سے اچھی واقفیت تھی۔ اُن کا کلام پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کم از کم شاعری کے فن میں ان کو کس قدر مہارت حاصل تھی اور اُن کے خطوط میں جا بجا شعراء کے کلام اور نقد و نظر کی بحث میں اُن کا نقطہ نظر کتنا واضح اور ذوق سلیم کتنے اعلیٰ درجہ کا تھا۔

حکیم اسحاق کے بزرگ، یحییٰ اعظمی کے بزرگ اور اسی طرح وہ تمام موضوعات، رہنماؤں، شخصیات اور خرد و بزرگ جو یحییٰ کی حمد، نعت، منقبت، مدح، نظم، طنز و مزاح میں مذکور ہیں، اُن کے بزرگ اور ممدوح، محترم، مکرم اور عزیز تھے۔

میں جو اپنے پیر کے حادثہ کی بنا پر معذور ہو کر اپنے والد کے مطب اور اُن کی روزانہ کی نشست کا، مدتوں قدح خوار رہا ہوں، اُن تمام لوگوں میں سب سے زیادہ یحییٰ اعظمی سے متاثر تھا اور اگرچہ میرے والد کے تمام احباب، اُن سے عقیدت اور محبت کی بنا پر، مجھ پر بھی شفقت فرماتے

۵: قصه هائی رنگ رنگ (ترجمه بزبان اُردو) صمد بهرنگی که قصه هائی بچه هائی ایرانی نوشته بود.

۶: کور اوغلو (همو) صمد بهرنگی که همو بچه هائی ایرانی نوشته بود.

۷: بطواف کعبه رفتم: سفرنامه وزیارت حرمین شریفین با تاریخ و مقامات، وشعر شعرائی فارسی که راجع باین مقامات مقدسه سروده بودند.

۸: اسفار خارج: تهران، اصفهان، مشهد مقدس وشیراز حافظ وسعدی. انقره، قونیه، زیارت مزار حضرت مولانا جلال الدین رومی.

جائزه ها: (الف) راجع به چندین تألیفات از فخر الدین علی احمد اکادمی لکهنو، اُردواکادمی، دهلی.

گواهی نامهٔ رئیسِ جمهورِ هند جائزه سعدی از طرف سفارهٔ جمهوریهٔ اسلامیه ایران،

شغل حاضر: کاربررسی تحقیق درباره نسخه هائی نادر و پربهائی خطی که در کتابخانه هائی سراسر هند یافته وچاپ شده. بنده این کار در زیر سرپرستی آقائی خواجه مهدی پیری که دبیر ریاست مرکز میکروفیلم نور، خانه فرهنگ جمهوری اسلامی ایران می فرمایند. این خدمت انجام می دهد.

شعیب اعظمی ۳۳۲- سی ۴۱/۲۳ باتلا هاؤس

پستخانه جامعه نگر، دهلی نو-۱۱۰۰۲۵.

(روز سه شنبه یکم ماه فروردین ۱۳۸٤ خروشیدی)

کتابیات

۱۔ افکار سہیل (شبلی نیشنل کالج میگزین)	مرزا شوکت سلطان وعلی حماد عباسی	اعظم گڑھ ۱۹۵۷ء
۲۔ پروانہ چراغ مزار خوریم ما،	شعیب اعظمی	جامعہ نگر دہلی ۱۹۷۶ء
۳۔ تاثرات	عبدالرزاق قریشی	علوی بک ڈپو، بمبئی ۱۹۶۹ء
۴۔ تابش سہیل	نیاز احمد صدیقی	محمد حسن انٹر کالج جونپور، ۱۹۵۷ء
۵۔ تذکرہ ماہ وسال	مالک رام	مکتبہ جامعہ، بمبئی دہلی ۱۹۹۱ء
۶۔ دارالمصنفین کی ادبی خدمات	ڈاکٹر خورشید مظہر الحق نعمانی	رحیمی پریس، بمبئی ۱۹۷ء
۷۔ دستاویز	ڈاکٹر محمود الٰہی زخمی	اتر پردیش، اردو اکادمی لکھنو ۱۹۸۳ء
۸۔ دین الٰہی کا پس منظر	مہر محمد خان شہاب مالیر کوٹلوی	مکتبہ جامعہ، نئی دہلی ۱۹۷۴ء
۹۔ رسالہ جامعہ	ضیاء الحسن فاروقی	جامعہ ملیہ اسلامیہ مئی، جون ۱۹۷۷ء
۱۰۔ علامہ سید سلیمان ندوی	ابوعلی اثری آصفی	ندوۃ المحدثین، گوجرانولہ پاکستان ۱۹۸۵ء
۱۱۔ علامہ شبلی اور مولانا ابوالکلام آزاد	ابوعلی اثری مرتبہ ارشد علی انصاری	تاسیس پریس اعظم گڈھ، ۲۰۰۲ء
۱۲۔ معترضین ابوالکلام آزاد	عبداللطیف اعظمی	علمی ادارہ، ذاکر نگر ۱۹۹۰ء
۱۳۔ نوائے حیات (طبع دوم)	یحییٰ اعظمی	مکتبہ معارف، اعظم گڈھ ۱۹۵۰ء
۱۴۔ نوائے عصر	یحییٰ اعظمی	مکتبہ معارف، اعظم گڈھ، ۱۹۷۰ء
۱۵۔ جدید اردو تنقید پر مغرب کے اثرات	میجر علی حماد عباسی	نصرت پبلشرز، امین آباد لکھنؤ ۱۹۹۰ء

☆ ☆ ☆

تھے مگر یحییٰ اعظمی، جنھیں اس زمانہ سے ہی میں چچا کہتا تھا، مجھ پر اس قدر مہربان اور کرم فرما تھے کہ اُس کا اظہار ممکن نہیں۔ ان کا اور میرا رشتہ اس قدر گہرا ہوگیا کہ میں ان کے گھر بھی اکثر و بیشتر جاتا۔ اُن کی بیگم جو اپنے شوہر کی طرح انتہائی خلیق، متواضع اور مشفق خاتون ہیں، اسی روز اوّل کی مانند میری حاضری پر اتنی خوش ہوجاتی ہیں اور اتنی دعائیں دیتی ہیں کہ میں شرم سے زمین پر گڑا جاتا ہوں۔ (۱۹۹۶ میں حج کو تشریف لے گئیں اور ماہ اگست میں راہی ملک عدم ہوئیں)۔

یحییٰ اعظمی میرے اعظم گڈھ کے قیام، بمبئی اور دہلی (۱۹۷۱ء کے ملازمت کے سالوں تک اور اپنی زندگی کے آخری ایام سے چند دن قبل تک مجھے عزیز رکھتے رہے تھے۔ ہر آمد پر مجھے اپنے یہاں بلاتے اور والد کی روزانہ کی نشست میں اُن کی روزانہ کی حاضری کی ملاقات کے باوجود، اُن کے یہاں میری حاضری، میرے لیے بڑی چیز تھی۔ کتنا خوش ہوتے اور ان کے دینی، سیاسی، تہذیبی، علمی، اور شعری اوصاف کا ہر ہر پہلو میرے لیے کس قدر موثر اور پُرکشش ہوتا اُسے میرے علاوہ اور کوئی محسوس نہیں کرسکتا۔

میں جب باہر ہوتا وہ برابر خط لکھتے جو فقط ذاتی ہی نہیں علمی اور سیاسی اور اخلاقی ہوتے اور میں اپنی کم علمی، کم نظری اور معذوری کے باوجود اُن کا جواب دیتا۔ افسوس کہ اُن کے کئی خطوط میری غفلت سے ضائع ہوگئے اور اگرچہ ان کے رُقعات میں کہیں کہیں میرا ذکر خیر بھی ہے مگر یہاں اُن کا پوسٹ کارڈ پر لکھا ہوا میرے نام ایک خط پیش خدمت ہے جس نے اُن کی بزرگانہ شفقت اور عالمانہ بصیرت کی اور خود اپنی زندگی کی حسرت کا واضح اظہار ہے:

۶/ اکتوبر ۶۸ء

عزیزی شعیب! السلام علیکم،

عرصہ کے بعد تمھارا دستی خط ملا، پچھلے واقعہ سے متعلق تمھارے تاثرات پڑھ کر افسوس بھی ہوا اور تکلیف بھی۔ میں جب خود اس واقعہ اور اُسکے عواقب پر غور کرتا ہوں تو تھوڑی دیر کے لیے دلی تکلیف محسوس کرتا ہوں لیکن زندگی کے معمولات اور مشاغل کے ساتھ یہ تاثر کم ہوتا جائے

گا، اور اسے بھولنے کی کوشش کرو، اور اپنے علمی اور تحقیقی مشاغل کو جاری رکھو۔ تم نے بذاتِ خود جو علمی ترقی کی ہے وہ کم حوصلہ افزا نہیں، بے حد قابلِ قدر ہے۔ تم اپنے کو حقیر اور کم مایہ کیوں سمجھو؟ تم نے اپنی منزل متعین کی ہے اس کی طرف اسی ذوق وشوق اور طلب وہمت کے ساتھ گام زن رہو، انشاء اللہ ایک روز کامیابی اور کامرانی نصیب ہوگی۔

میری زندگی کی افسردگیاں اور حالات کی پریشانی کا وہی حال ہے۔ اب احساس اس قدر نازک ہوگیا ہیکہ ذرا ذرا سی بات سے تکلیف ہوجاتی ہے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ میں آخر اتنا بدقسمت کیوں پیدا کیا گیا جس کے مقدر میں زندگی کی کوئی خوشی نہیں ہے۔ اعظم گڈھ میں جب تک تم رہتے ہو، شب وروز تھوڑی سی دلچسپی ہوجاتی ہے، ورنہ اب کسی سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہ گئی ہے۔

تمھاری چچی تم کو بہت بہت دعا کہتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن کو بھی تم سے بے حد محبت ہے اور اکثر پوچھتی رہتی ہیں اور گذشتہ واقعہ سے اُن کو بھی ویسی ہی تکلیف ہوئی، جیسی ہم لوگوں کو۔ بھائی بہنیں اچھی ہیں اور سب سلام کہتے ہیں۔

حبیب احمد صدیقی (۱) کا مضمون، مولانا کے خلاف اسی جذبہ عناد وعیب جوئی کا نتیجہ ہے جو اور معاندین کو ہے۔ اس کا جواب رضا انصاری (۲) نے قومی آواز کے چار نمبروں میں بہت مدلّل اور مفصل لکھا ہے اور صدیقی صاحب کی خوب خبر لی ہے، تمھاری نظر سے گزرا ہوگا۔ مولوی عبدالباری صاحب آجکل بیمار ہیں۔ کتابوں کے لیے ان سے کہوں گا اور کیا لکھوں۔ کبھی کبھی خط لکھ دیا کرو۔

فقط، دعا گو، یحییٰ

یحییٰ اعظمی اپنے بزرگوں کے مانند اور حکیم اسحاق کی طرح، نئی نسل کو اپنی اولاد کی طرح

---

(۱) ڈپٹی کلکٹر، (پ: ۱۵ر جنوری ۱۹۰۸ سیوہارہ بجنور)

(۲) فرنگی محلی، معروف عالم اور صحافی (م: ۵ر فروری ۱۹۹۰، مدفن لکھنؤ)

سمجھتے اور بہتوں کو اپنی شفقتوں سے نوازتے تھے اپنے یہاں بلاتے تھے اور ادب و سیاست اور علوم وفنون کے موضوعات پر تبادلہ خیال کرتے تھے۔ افتخار اعظمی، ڈاکٹر شکیل انصاری، پروفیسر کبیر احمد جائسی بھی یحییٰ اعظمی کی ادبی اور علمی تربیت سے فیض یاب ہیں۔ ابوعلی اعظمی نے خلیل الرحمٰن، سید محمد مثنیٰ رضوی، پروفیسر علی حماد عباسی، فیض الرحمٰن اعظمی اور پروفیسر کبیر احمد جائسی جیسے معروف مصنفین، محققین، نقاد، شاعر حضرات کو اپنے قرب سے علم وادب کا شغف بخشا، میں نے بارہا ان کی خدمت میں بیٹھ کر معارف میں شائع ہونے والے مضامین کے کتابت شدہ اوراق کی نظر ثانی کی ہے۔ کبھی وہ خود پڑھتے، میں دیکھتا اور کبھی میں پڑھتا اور وہ تصحیح فرماتے جاتے۔

اور ان دونوں کے بزرگ، حکیم اسحاق، اپنے مطب، نشست، مسجد سفر حضر میں ہر قسم کے نوجوانوں کو احترام اور محبت کی پذیرائی بخشتے، مجھے وہ سب اصحاب یاد نہیں، ہاں حاجی عبدالرشید ندوی، ابوحاکم صاحب، میجر علی حماد عباسی، امیر حسن مرحوم، مسعود خان ممبر راجیہ سبھا، بابو حاجی عزیز الرحمٰن اور عباد احمد خان مرحوم جیسے چند اشخاص کی صورتیں ضرور یاد ہیں جن کو میں بھولا نہیں ہوں۔

میں ابو علی اعظمی، یحییٰ اعظمی اور حکیم اسحاق صاحب کے مشترکہ احباب، اعزہ، رہنماؤں، دینی شخصیتوں اور نوجوان افراد کو شخصی طور پر جانتا رہا۔ بہتوں کا نام سنکر اُن کا عقیدت مند بنا، بہتوں کو دیکھ کر ان کا شناسا بنا اور بہتوں سے مل کر اُن کا بڑا اور چھوٹا دوست بنا اور خاص طور سے مراسلت رکھنے والے حضرات کی علمی اور سیاسی اور ادبی شخصیت سے متاثر ہوا۔

چنانچہ محمود الٰہی زخمی، حافظ شعیب خیر آبادی، سلمان شاہجہان پوری (۱)، عبدالخالق نقوی، جوش ملسیانی (۲)، شورش کاشمیری (۳) کے خطوط پڑھنے اور بعضوں سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ حکیم اسحاق صاحب کا حلقہ احباب زیادہ بڑا تھا چنانچہ عزیر احمد صدیقی، مولانا ابوالجلال

---

(۱) ابوالکلام کے عالی عقیدتمند، کراچی)

(۲) م (یکم فروری ۱۹۸۴ء)

(۳) آغا عبدالکریم (م: ۲۵/اکتوبر ۱۹۷۵ء، مدفن، لاہور)

کل الحقوق محفوظة (C)

کتاب کا نام	:	گاھے گاھے باز خواں......
مصنف	:	شعیب اعظمی
سال اشاعت	:	۲۰۰۷ء
تعداد	:	۲۰۰
صفحات	:	160
قیمت	:	=/120 روپے
کتابت	:	اشرف الہندی، سی.ڑون.نئی دہلی۔۲۵

ناشر

الکتاب انٹرنیشنل

بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۵

ندوی، قطب الدین انصاری، بدرالدین انصاری، نجیب اشرف ندوی، عبدالرزاق قریشی، ڈاکٹر سعید انصاری، مولانا امین احسن اصلاحی، شاہ علاؤالحق، ڈاکٹر ذاکر حسین، قاضی اطہر مبارکپوری کی تحریریں مجھے بارہا دیکھنے کا موقع ملا۔ افسوس کہ میری جلا وطنی کے زمانہ میں ان نادر خطوط کی حفاظت نہ ہوسکی ورنہ یہ یادگار زمانہ رشحات آج ہماری قومی، ملّی، سیاسی اور ادبی زندگی کا قیمتی ورثہ ہوتے۔

بمبئی اور دہلی کی ملازمت کے دوران جب چھٹیوں میں جاتا تو اُن گذشتہ محفلوں کی باقیات سے بہرحال ملاقات ہوتی۔ ۱۹۷۲ء میں یحییٰ اعظمی کی وفات کے بعد مجھے یہ خیال آیا کہ اُن جیسے مکمل انسان اور عالم شاعر شخصیت پر کچھ لکھنا چاہیئے مگر میرے پاس کوئی مواد اور سوائے چند خطوط کے اُن کی کوئی چیز موجود نہ تھی چنانچہ میں نے اُن کے بارہ میں معلومات حاصل کرنا چاہا اور گرما کی تعطیلات میں روزانہ پابندی کے ساتھ بیٹھ کر ۱۹۲۱ سے ۱۹۷۲ء تک کا مواد جمع کرتا رہا (یحییٰ صاحب کا زمانہ ملازمت تا وفات) مجالس کی رونق باقی نہ رہ گئی اور میں نے اپنے بزرگ اور شفیق یحییٰ اعظمی کو کھو کر خود کو انتہائی دل شکستہ محسوس کیا۔ اور والد محترم حکیم اسحاق جو ان تمام دلچسپیوں کا مرکز تھے، یحییٰ صاحب کے انتقال سے انتہائی پژمردہ تھے۔ معاً میرے دل میں ان تمام واقعات کو قلم بند کرنے کا خیال آیا، افسوس اس کا کہ میری مرتبہ کتاب ''پروانہ چراغ مزار خود یما، ان دونوں کے انتقال کے بعد شائع ہوئی اور یہ آرزو ہی رہ گئی کہ کاش وہ لوگ اپنی آنکھوں سے اپنا احوال پڑھتے۔

یہ عجیب اتفاق کہ میں نے اس کتاب کا مسودہ اپنے فاضل استاد میجر علی حماد عباسی کو اس لیے دیا کہ وہ قدیم اور جدید ادب اور خصوصاً انگریزی ادب کے اُستاد اور مزاج داں ہیں اور میرے استاد ہونے کے ناطے وہ میری غلطیوں پر بے تکلف ٹوکیں گے اور صحیح مشورہ دیں گے اور کتاب کا تعارف ڈاکٹر سعید انصاری صاحب سے اس لیے لکھوایا کہ وہ والد کے خورد دوست، ہم خیال ہونے کے ساتھ، امریکہ جیسے ملک کے تعلیم یافتہ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے دورۂ دوم کے اچھے

اساتذہ میں شمار ہوتے تھے اور سیاسی میدان کے قومی رہنماؤں سے براہ راست وابستہ تھے اور حکیم صاحب کے رفیق بھی۔

یحییٰ اعظمی کے انتقال کے کئی سال بعد غالباً جب حکیم اسحٰق بھی وفات پا چکے تھے، ابوعلی اعظمی نے میرے گھر آ کر ایک پیکٹ میرے حوالہ کیا کہ ان کے کاغذات کے ڈھیر میں یہ مقامی مراسلت کے رقعات، جو انھوں نے اپنی میز کی دراز میں بے ارادہ محفوظ رکھے تھے، اب میں ان کو اپنے پاس رکھ لوں کیونکہ میں ہی ان کو سنبھال سکتا تھا، یہ خیال ان کو اس لئے بھی آیا کیونکہ میں نے اس کتاب کے علاوہ یحییٰ اعظمی پر ایک مضمون ۱۹۷۳ء کے آجکل کے کسی شمارہ میں لکھا تھا۔

اپنے دونوں بزرگوں دوستوں کے انتقال کے بعد ابوعلی اعظمی اس کارواں کے آخری سپاہی کی حیثیت سے تقریباً ۱۶۔۱۷ سال زندہ رہ کر فروری ۱۹۹۳ء میں ایک طویل عمر پا کر ۸۸ سال کی عمر میں راہی ملک عدم ہو گئے۔ انہوں نے زندگی کا بیشتر حصہ دارالمصنفین کی خدمت میں گزارا مگر نئے انتظام وانصرام میں ان کی خدمات کو نظر انداز کر دیا گیا اور مجبوراً اپنے علمی دوست اور سابق رفیق اور عصر حاضر کے معروف عالم مولانا مجیب اللہ ندوی کے ادارہ جامعۃ الرشاد سے متعلق ہو گئے جہاں وہ بہرحال معاشی مجبوریوں کی بنا پر ٹک گئے اور بالآخر وہاں سے بھی علیحدہ ہو گئے۔

زندگی کے آخر میں چند ماہ وہ بہت پریشان حال رہے اور پیری کی لعنت تنگدستی کا طوق گردن میں ڈال گئی مگر معمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔ ہاں حافظہ پر نسیان غالب آ گیا اور داڑھی میں جوئیں پڑ گئیں تو سارا ماضی بالائے طاق رکھ کر ریش و بروت سے بے نیاز ہو کر قلندر بن گئے اور راہ چلتے چلتے اچانک کہیں فرش نشین ہو جاتے اور گرے پڑے کاغذ چن چن کر اکٹھا کرتے جاتے کہ عمر بھر کاغذ اور قلم کا ساتھ رہا تھا اور شاید سیہ بر سفید کا مشغلہ جاری رکھنا چاہتے تھے جواب ناممکن تھا۔ ان کے اس شغل کو دیکھ کر دوست آشنا ان سے سوال کرتے مگر وہ لاجواب ہو کر پھر وہی شغل شروع کر دیتے گویا مولانا جلال الدین رومی کے شعر میں منظوم مقید مجنوں کی زبان حال سے یہ کہتے نظر آتے۔

گفت مشق نام لیلی می کنم

خاطر خود را تسلّی می دھم

پرانے بزرگوں کی وضعدار شرافت کی روایت کے حامل ابوعلی نے اپنی وضع اور معمول میں کوئی فرق آنے نہیں دیا، ہم عام طور سے اپنے روابط کسی دوست کی زندگی تک قائم رکھتے ہیں اور دوست کی آل اولاد ہمارے لئے اجنبی ہو جاتی ہے مگر ابوعلی نے کم از کم اپنے بزرگ دوست حکیم اسحٰق کے خاندان اور وارثین سے وہی دیرینہ تعلقات قائم رکھے اور میرے بڑے بھائیوں ڈاکٹر یوسف اشفاق اور محمد ہارون اور چھوٹے بھائی یوسف سلیم سے آکر ملتے رہتے اور ان لوگوں سے تاکید کرتے کہ وہ لوگ اپنے والد کی روزانہ کی شام کی نشست کا اہتمام اور انتظام برقرار رکھیں، وہ خود کبھی صبح اور شام پابندی سے آتے اور جب میں چھٹیوں میں آتا، تو وہ ضرور تشریف لاتے اور دیر تک بیٹھتے، گذشتہ صحبتوں کو یاد کرتے، نصیحتیں کرتے، طنز کرتے اور بلا تکلف غلطیوں پر بالکل اپنے بزرگوں کی طرح ٹوکتے۔

تقسیم کے بعد اور قبل بھی وہ بسا اوقات قلمی اور فرضی ناموں سے لکھتے رہے اور اس کام میں وہ مولانا سلیمان ندوی، مولانا ماجد دریا آبادی، شاہ معین الدین، حکیم اسحٰق، حسین احمد مدنی، صباح الدین عبدالرحمان اور مولانا ابوالکلام کو بھی اپنی تحریروں کا طنزیہ اور ہجویہ نشانہ بناتے جس کا اشارہ اور شان نزول صرف یحییٰ اعظمی سمجھ پاتے چنانچہ ناظرین کو یحییٰ اعظمی کے جوابی رقعات میں اندازہ ہو جائیگا۔

مولوی عبدالباری ابوعلی بہت طویل مضامین لکھتے چنانچہ ادھر ۱۳/۱۴ برسوں میں انھوں نے مجھے بہت سارے خطوط لکھے لیکن بیشتر کی نگہداشت میں نہ کر سکا۔ مجھے تمام خطوط کی حفاظت کا خیال اپنے مرحوم دوست پروفیسر نورالحسن انصاری صدر شعبہ فارسی دہلی یونیورسٹی کی وفات حسرت آیات (نومبر ۱۹۸۷ء) کے بعد آیا جب مرحوم پر مضمون لکھتے وقت میں نے ان کی کسی ذاتی تحریر کا حوالہ دینا چاہا اور اس کے بعد میں نے ابوعلی اعظمی کے خطوط سنبھال کر رکھے جن میں سے بیشتر

ان کی تحریر موضوع اور مطالب کا مظہر ہیں۔

''مجھے اپنا بیان حسن طبیعت'' نہیں تھا، ابوعلی اعظمی، اثری، آصفی (وہ خود بدل بدل کر لکھتے) اور یحییٰ اعظمی کے ان تحریری افکار میں قارئین کو وہ سب کچھ مل جائیگا جو ہر دور کا خاصہ رہا ہے۔ یہ لوگ بہت غیر معروف تھے مگر وقت کی نبض پر ان کا ہاتھ بھی تھا اپنی تمام صلاحیتوں اور خوبیوں کے ساتھ وہ اپنے بزرگ حکیم اسحٰق کے حلقہ میں معروف تھے۔ مولانا امین احسن اصلاحی ہوں یا شاہ علاء الحق عبدالرزاق قریشی ہوں یا ڈاکٹر خورشید مظہر الحق نعمانی، مولانا محمد شہاب مالیر کوٹلوی ہوں یا مولانا قاضی اطہر مبارکپوری، ڈاکٹر سعید انصاری ہوں یا عبداللطیف اعظمی، مولانا عبدالرحمان پرواز اصلاحی ہوں یا مولانا عبدالحلیم ساحل، ان سب نے حکیم اسحٰق کی وفات پر میرے بھائیوں اور مجھے تعزیت نامے بھیجے اور کتاب ''پروانۂ چراغ مزار خودیم'' (سوانح حیات حکیم محمد اسحاق) پر ذاتی تبصرے لکھے۔

میں نے ان تحریروں کو بھی ان دونوں کے اس علمی اور تمدنی مجموعے میں شامل کر دیا ہے اور وہ دو اسباب کی بنا پر کہ آئندہ کسی زمانہ میں اس قسم کا کردار رکھنے والے لوگ سنائی اور دکھائی نہ دیں گے اور دوسرے یہ کہ چاہے جس معیار کے رہے ہوں، انھوں نے اردو ادب، اسلامی ثقافت، ہندوستانی سیاست میں خواہ معمولی سا ہی کیوں نہ ہو، اپنا فریضہ انجام دیا ہے، اور شاید ان تمام بزرگ شخصیتوں کے مبارک ذکر کے ساتھ میرے جیسے کم مایہ اور بے حیثیت انسان کا نام ان کے خدمت گار کی صف میں، شیخ شیراز، سعدی علیہ الرحمۃ کے اس زندہ جاوید شعر کی طرح باقی رہ جائے۔

همیشه بماند سیه بر سفید

نویسنده را نیست فردا امید

حکیم صاحب سے تعارف

از ابوعلی

مجھے حکیم صاحب کا شرف صحبت تو اس وقت سے حاصل ہے جبکہ ابھی میری مسیں بھی بھیگی نہیں تھیں، وہ مجھ سے اور میں اون سے روشناس تو اپنی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کی طالبعلمی کے زمانہ سے تھا، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ میں کس کا لڑکا ہوں لیکن تقرب مجھے نیشنل گاندھی ہائی اسکول کی اردو اسامی کے سلسلہ میں ہوا، اسکول کو اردو پڑھانے کے لئے بہت معمولی تنخواہ پر ایک آدمی کی ضرورت تھی، میں اس وقت کلکتہ سے نیا نیا ناکام واپس آیا تھا، حکیم صاحب، رشید خان اور شاہ علاؤالحق (۱) کی جو اس کے ہیڈ ماسٹر تھے نظر انتخاب مجھ پر پڑی اور میرا اسکول میں پندرہ روپیہ ماہوار پر اردو پڑھانے کے لئے تقرر ہوگیا، اس میں خود رشید خاں بھی ٹیچر تھے جو اردو پڑھاتے تھے اور ان کا سبجکٹ نہیں تھا اس لئے طلبہ ان سے مطمئن نہیں تھے میری عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ ۱۶ برس کی رہی ہوگی، میری تعلیم سے طلبہ اس عمر میں کیا مطمئن ہو سکتے تھے بہرحال جب سیشن ختم ہوگیا تو سن گن لگی کہ میں تخفیف میں آجاؤں گا ابھی میرا تعلق اس اسکول سے ضابطہ سے قائم نہ تھا کہ مولانا سید سلیمان ندوی ناظم دارالمصنفین کو کتبخانہ کے لئے ایک آدمی کی ضرورت پیش آئی، اسکے لئے بھی حکیم صاحب کی نظر انتخاب مجھ پر پڑی وہ مجھکو اپنے ساتھ شبلی منزل سید صاحب کی خدمت میں لے گئے رات کا وقت تھا چاندنی چھٹکی ہوئی تھی سید صاحب نے سر سے پاؤں تک مجھے بہت غور سے دیکھا اور بغیر مجھ سے کچھ دریافت کئے ہوئے اوس اسکول کی تنخواہ پر مجھے رکھ لیا اور میں نے اوسی صبح سے شبلی منزل میں آکر کام شروع کر دیا پہلا کام عربی وارد و وانگریزی کے رسالوں کے بکھرے ہوئے پرچوں کو الگ الگ کرنا اور ان کو

---

(۱) ان حضرات کے حالات کا ذکر ''پروانۂ چراغ''.... مرتبہ شعیب اعظمی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ شاہ علاؤالحق ترک موالات، تحریک خلافت، سودیشی تحریک اور شراب کی دوکانوں پر... کرنے اور قومی اسکول چلانے والوں کی صف اول میں شمار ہوتے تھے۔)

مہینہ وار مرتب کرنا تھا جن کا ایک انبار لگ گیا تھا یہ کام تنہا میرے بس کا وہ بھی اس عمر میں نہ تھا اس میں مجھکو سید نجیب اشرف ندوی (۱) رفیق دار المصنفین اور جناب سعید انصاری سابق پرنسپل ٹریننگ کالج جامعہ ملیہ دہلی سے بڑی مدد ملی جو حکیم صاحب ہی کی طرح شبلی منزل کے بڑے حاضر باش تھے اور وہاں کے لوگوں سے بہت تعلقات رکھتے تھے اسکے بعد سے حکیم صاحب کی خدمت میں میرا آنا جانا شروع ہوگیا جس کا سلسلہ اب تک جبکہ پیرفرتوت ہوگیا ہوں چلا جارہا ہے، میں نے ہی سب سے پہلے ایک دوست کی حیثیت سے جناب یحییٰ اعظمی کا حکیم صاحب سے تعارف کرایا تھا لیکن ان کو بہت جلد حکیم صاحب کی خدمت میں وہ حیثیت حاصل ہوگئی جو رشید خاں، ادریس صاحب اور سعید انصاری اور ان کے اور ارادتمندوں کو حاصل تھی اور وہ انہی کی طرح بالکل حکیم صاحب کے خاص آدمی سمجھے جانے لگے، بلکہ رفتہ رفتہ ان کی مجلس، قومی وملی سیاسی زندگی کے جزو لاینفک ہوگئے لیکن مجھے باوجود حاضر باش ہونے کے وہ تقرب وہ اختصاص اور وہ اعتماد واعتبار حاصل نہ ہوسکا سب سے بڑی خلیج ہم میں یہ پیدا ہوگئی کہ وہ تحریک پاکستان یا تقسیم ہندوستان کے سخت مخالف تھے اور میں اس کا ہمنوا ہی نہیں اوس کے درجہ اول کے مبلغوں میں ہوگیا اور اس کی تائید میں مسلم لیگ کے اخبارات میں بہت پرزور مضامین لکھنے لگا اور ان مضامین کی توجہ سے نہ صرف اونچے درجہ کے مویدین کے حلقہ میں بلکہ پورے مسلم لیگی حلقہ میں مشہور ہوگیا اور بچہ بچہ کی زبان پر میرا نام آگیا۔ میں مسلم لیگ کے آرگن روزنامہ ''منشور دہلی'' اور روزنامہ'' نوائے وقت'' لاہور کا خاص مضمون نگار تھا میرے بعض مضامین کا ''الجمیعۃ'' نے بھی جواب دیا پاکستان بن گیا تو مولانا مسعود علی ندوی (۲) نے جو میری تحریری سرگرمیوں سے حکیم ہی صاحب کے ذریعہ اچھی طرح واقف تھے اپنے دفتر میں دار المصنفین بلا کر خاص طور سے مجھے مبارکباد دی، میرے مضامین کو مولانا عبدالماجد دریابادی بھی بڑی دلچسپی سے پڑھا کرتے تھے بلکہ ان مضامین کو

(۱) پروفیسر، محقق، مؤرخ، عالمگیر کے رقعات کے مرتب اور انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی کے ڈائریکٹر، (م: ۵ر ستمبر ۱۹۶۵ء بمبئی)

(۲) ناظم دار المصنفین (م: ۲۳ر اگست ۱۹۶۷ء اعظم گڑھ)

پڑھ کر ان کو مجھ سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا پہلے تو اونہوں نے اس کا ذکر لکھنؤ میں شاہ معین الدین سے کیا پھر انتظامیہ کے جلسہ میں شرکت کے لیے دارالمصنفین آئے تو مولانا مسعود علی ندوی نے اس کا ذکر کیا دوسرے روز میں شبلی منزل پہنچا تو مولانا مسعود علی ندوی نے مجھکو اپنے دفتر میں بلوایا جہاں ماجد میاں (۱) تشریف فرما تھے۔ ان کی طرف مخاطب ہوکر مولانا نے کہا کہ منشور کے مضمون نگار ابو علی یہی ہیں جنکی آپ کل سے رٹ لگائے ہوئے ہیں انھوں نے مجھے بڑی حیرت اور استعجاب کی نظر سے دیکھا میں ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا اب وہ مجھکو دیکھتے ہیں اور میں ان کو لیکن اس درمیان میں باہم کوئی بات چیت نہیں ہوئی پھر تو وہ جب بھی دارالمصنفین آتے تھے مجھکو یاد کرتے تھے تو میں اون سے ملاقات کرتا تھا اور وہ بڑے اخلاص ومحبت سے پیش آتے تھے۔ پھر تو وہ ان کا تخاطب آہستہ آہستہ میری طرف اتنا ہوتا گیا کہ شاہ معین الدین (۲) وغیرہ کو رشک ہونے لگا ایک مرتبہ انھوں نے شاہ صاحب سے طنزاً فرمایا کہ آپ ہی نے تو لکھنو میں مجھ سے ان کا غائبانہ تعارف کرایا تھا، اونھوں نے میرے بہت سے مضامین اور خطوط بھی بڑے فخر وانبساط کے ساتھ صدق میں شائع کئے، دن بدن اون کی نظر کرم مجھ پر بڑھتی گئی جسکے اون کے خطوط شاہد ہیں پاکستان بننے کے باوجود حکیم صاحب سے پھر اخلاص ہوگیا۔

تمام ارباب صفہ میں ذہنی حیثیت سے حکیم صاحب سے قریب تر یہی تھے اور انہی کی طرح بہت ہی انتہا پسند نیشنلسٹ تھے، ان دونوں بزرگوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے نیشنلسٹ ہونا اولیں شرط تھی اور جو ان کی نگاہ میں ہر اعتبار سے نیشنلسٹ ثابت ہوتا خواہ مذہبی حیثیت سے کسی مذہب اور عقیدہ کا ہوتا وہ اس کے گرویدہ اور دوست ہوجاتے، ان کے نزدیک تعلقات کے لئے یہی معیار تھا جس پر ہر شخص کا اترنا بہت مشکل تھا فرقہ پرستوں کے لئے ان کے دل میں ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں تھی مسلم لیگ کا نام سنتے ہی ان کے کان کھڑے

---

(۱) مولانا عبدالماجد دریابادی، عالم، مدیر، صحافی، فلسفی (م: جنوری ۱۹۷۷ء لکھنؤ)

(۲) عالم، ناظم دارالمصنفین مدیر معارف (م: ۱۳ر دسمبر ۱۹۷۴ء مدفن رودولی)

ہو جاتے تھے اور اس سے انتہائی بیزاری اور نفرت کا اظہار کرتے تھے مسلم لیگی ہونا ان کے لئے سب سے بڑا جرم تھا جسکو بخشا نہیں جا سکتا تھا، یحییٰ صاحب تو شاعر تھے انہوں نے مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی خوب خوب ہجویں کہی ہیں جو تمام نیشنلسٹ اخبارات میں بڑے فخر کے ساتھ شائع ہوتی تھیں، اس تحریک کے روح رواں بلکہ قائد مسٹر محمد علی جناح سے ان کو سخت نفرت تھی اور ایک تو وہ شیعہ تھے دوسرے فرقہ پرست اس دو آتشہ نے ان کو اور زیادہ ان کی نگاہ میں مبغوض بنا دیا تھا۔

سانپ نکلنے کا واقعہ مئو میں نہیں اعظم گڑھ میں ایک سال کی پولیٹکل کانفرنس میں پیش آیا تھا جسکے صدر پنڈت جواہر لال نہرو تھے۔ تمام مقامی غیر مقامی مندوبین کو تو مولانا مسعود علی ندوی ڈائس پر بٹھاتے تھے اور خود اپنی ڈسپلن کا مظاہرہ کرنے کے لئے کانفرنس کے گیٹ پر ٹھیک مقرر کے سامنے کھڑے رہتے تھے تاکہ مقرر کی نظر بھی ان پر برابر پڑتی رہے۔ میں اس جلسہ میں موجود تھا اوسوقت میرے داڑھی مونچھ نہیں نکلی تھی اور بچپن کی شوخی میں کھدر کے لباس میں جلسہ کے دوران میں ادھر ادھر گھوما کرتا تھا پنڈت جواہر لال تقریر کر رہے تھے کہ جلسہ کے ایک گوشہ سے سانپ کی آواز نکلی اور مجمع میں انتشار پیدا ہو گیا، مولانا ڈسپلن کی خلاف ورزی کیسے برداشت کر سکتے تھے، وہ گیٹ سے سیدھے ڈائس پر پہونچے اور زوردار آواز میں جلسہ کو مخاطب کیا اگر سانپ نکلا ہے ہو تو نکلنے دو کوئی اپنی جگہ سے نہ اٹھنے پائے چنانچہ ان کے کہنے ہی پر انتشار ختم ہو گیا لوگ اپنی اپنی جگہ پورے سکون کے ساتھ بیٹھ گئے یہ پتہ نہیں چلا پھر وہ سانپ کدھر گیا، یہ واقعہ جواہر لال کو ایسا یاد رہ گیا کہ وہ جہاں بھی جاتے تھے اس واقعہ کا ذکر کرتے تھے اور مولانا مسعود علی کی ڈسپلن اور حسن انتظام کی داد دیتے تھے۔

گیا کانگریس کے صدر سی. آر. داس تھے سری راجگو پال اچاریہ نہیں تھے باوجود کانگریس کے آل انڈیا لیڈر اور گاندھی جی کے سمدھی ہونے کے اون کی زندگی کی یہ بڑی ٹریجڈی تھی کہ وہ صدر کانگریس نہیں ہو سکے۔ تمام ہندو لیڈروں میں سب سے زیادہ صاف

ذہن کے بھی تھے اور بہت ہی حقیقت پسند تھے ہندوستان آزاد ہونے کے بعد سب سے پہلے گورنر جنرل بھی ہوئے تھے اور اسی سے وہ قومی زندگی سے ریٹائر ہوئے۔ ان کے اظہار خیال کی زبان انگریزی تھی۔

کانگریس کا اسپیشل اجلاس لالہ لاجپت رائے کی صدارت میں کلکتہ میں ہوا تھا، میں اس زمانہ میں کلکتہ میں تھا، میں کانگریس کے اجلاس میں ہزار شوق کے باوجود اپنی تہی مائگی کی وجہ سے تو شریک نہیں ہو سکا لیکن اس کے پنڈال میں خلافت کانفرنس کا بھی جلسہ تھا جسکی صدارت کے لئے شیخ الہند مولانا محمود حسن (۱) کا انتخاب ہوا تھا لیکن اسی دوران میں اون کا دہلی میں انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اجلاس کی صدارت کس نے کی اس کی یاد مجھکو نہیں۔ اس اجلاس میں، میں شریک تھا، پورا پنڈال لکڑی کا بنا تھا اور نشست کا انتظام کرسیوں پر تھا، اس میں میں نے پہلی مرتبہ لالہ لاجپت رائے، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ظفر علیخاں کو دیکھا، مولانا ابوالکلام کو دیکھنے کا مجھے بیحد اشتیاق تھا اون کے لمبے تعارف کے بعد ڈائس پر آنے کی دعوت دی گئی تو سفید شیروانی میں ملبوس اور اس پر سفید چادر ڈالے ہوئے جسکے کنارے زمین پر گھسٹتے تھے اور وہ دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے تھے بڑے جاہ وجلال کے ساتھ نمودار ہوئے ان کی تقریر کا ایک لفظ بھی مجھے یاد نہیں البتہ لالہ لاجپت رائے (۲) کی تقریر اسلام پر بڑی ہی پرجوش اور ولولہ انگیز تھی انھیں چند مقرروں کی شاندار تقریروں کے بعد اس کی پہلی نشست ختم ہو گئی۔ اس کی دوسری نشست جو دن میں ہوئی تھی اوس میں بھی شریک تھا لیکن اس کی کوئی یاد اب میرے دل میں باقی ہیں، اِن کو نان آپریشن کی تجویز اسی اجلاس کلکتہ میں پیش ہوئی تھی جو سی، آر، داس کی مخالفت کی وجہ سے متفقہ طور پر تو شاید پاس نہ ہو سکی، لیکن ناگپور کے اجلاس میں جو مدراس میں کسی لیڈر کی صدارت میں ہوا تھا پاس ہو گئی اور اس کی تائید خود سی، آر، داس نے کی اور اپنی لاکھوں

---

(۱) شیخ الہند (م: ۳۰ر نومبر ۱۹۲۰ء، مدفن دیوبند)

(۲) سائمن کمیشن کے لاٹھی چارج میں زخمی (م: ۱۷ر نومبر ۱۹۲۸ء، لاہور)

روپیہ کی پریکٹس فوراً چھوڑ دی جو اس وقت ان کا بہت بڑا ایثار سمجھا گیا، اور پوری کانگریس میں بہت مقبول ہو گئے۔

کانپور آل انڈیا کانگریس کا اجلاس ۱۹۴۵ء میں مسز سروجنی نائیڈو (۱) کی صدارت میں ہوا تھا ۲۸۔۱۹۲۷ میں نہیں جیسا کہ لکھا ہے ۱۹۲۸ میں کانگریس کا اجلاس پنڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں ہوا تھا اسی میں نہرو رپورٹ کی توثیق کی گئی تھی اور گورنمنٹ سے اسکی منظوری کے لئے ایک سال کی مدت مقرر کی گئی تھی اس کے بعد اس کا سالانہ اجلاس لاہور میں ۱۹۲۹ میں پنڈت جواہر لال نہرو کی صدارت میں ہوا، نہرو رپورٹ دریائے راوی میں غرق کردی گئی۔ اور اسکے بجائے مکمل آزادی کا رزولیوشن پاس ہو گیا۔

اجلاس کانپور کے ایک ذیلی عنوان پر ایک حاشیہ ہے اس حاشیہ کا کوئی تعلق اجلاس کانپور سے نہیں کانگریس کے کسی اجلاس لاہور سے ھے جو معلوم نہیں کب ھوا تھا جس کی رو سے حسب روایت اعظم گڈھ کا سوادھنیتا سنگرام ضلع اعظم گڈھ میں از سرنو کانگریس کی تنظیم ہوئی، ضلع کانگریس کمیٹی میں حکیم اسحاق صاحب نائب صدر بنائے گئے۔

کلکتہ میں کانگریس کا سالانہ اجلاس بجائے ۳۰ کے ۱۹۲۸ میں پنڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں منعقد ہوا تھا، مولانا مسعود علی ندوی اور حکیم اسحاق صاحب کے ساتھ میں بھی اس اجلاس میں شرکت کے لئے گیا تھا۔ مولانا مسعود علی تو تھیٹر روڈ میں ایک عظیم الشان کوٹھی میں پنڈت موتی لال نہرو اور نہرو رپورٹ کے مسلمان مویدین کے ساتھ ٹھہرے تھے۔ حکیم صاحب اپنے کسی عزیز کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے اور میں اپنے چچا مولوی محمد احمد صاحب کے گودام واقع جنکری ہٹہ میں کانگریس کے اجلاس سے میلوں فاصلہ پر جہاں سے میں بس سے آتا جاتا تھا، ایک دن میں حکیم صاحب کو بھی اپنے ساتھ اپنے چچا کے یہاں لے گیا تھا۔ اس اجلاس سے بہت پہلے سی، آر، داس کا انتقال ہو چکا تھا۔ سی، آر، داس ۱۹۲۲ گیا کانگریس کے

(۱) بلبل ہند، گورنر اتر پردیش (م: ۲ر مارچ ۱۹۴۹ء حیدرآباد)

نذرانہ

میں اپنی اس حقیر کوشش کو اپنے والد مرحوم حکیم، حافظ، حاجی اور مولوی محمد اسحاق، اصحاب صفہ کے تمام بے لوث احباب اور کتاب میں مذکورہ تمام سرفروشان جنگ آزادی ھند کی پاک روحوں کی نذر کرتا ہوں

رفتید ولی نہ از دل ما

شعیب اعظمی

صدر تھے جس میں سید صاحب، مولانا مسعود علی اور حکیم صاحب وغیرہ شریک تھے، اس اجلاس کا یہ واقعہ ہمیشہ یاد رکھا جائیگا کہ اسی اجلاس میں سید صاحب اور ان کی بیگم میں معاشقہ کی بنیاد پڑی اور اجلاس کے فوراً ہی بعد ان سے سید صاحب کی شادی ہوگئی، یہی سید سلمان کی والدہ ہیں۔

مولانا ابوالکلام کے پان کھانے کی روایت صحیح نہیں ہے، وہ پان نہیں کھاتے تھے سگار کے عادی تھے جو ہر وقت ان کے منہ سے لگا رہتا تھا۔

گائے کے تحفظ کے سلسلہ کی جلسہ کی صدارت کے لئے مارواڑیوں کے کسی گروہ کی نظر انتخاب مولانا ابوالکلام پر عجیب ہے، ایسی جرأت وہ بھی مولانا ابوالکلام آزاد سے کوئی نہیں کرسکتا تھا، اس میں حکیم صاحب کو سہو ضرور ہوا ہے، اور پھر اسکا اوسوقت کوئی مسئلہ بھی نہیں تھا، ملک کی ساری توجہ بلا استثنا نہرو رپورٹ کی توثیق کی طرف تھی جسکے من حیث القوم تمام مسلمان یہانتک کہ جمیعۃ العلماء بھی مخالف تھی۔

جودھی پور میں نیشنل ھائی اسکول کھلا تھا۔ اس میں حکیم صاحب علاؤالحق رشید خان کی سفارش سے بحیثیت فارسی اور اردو کے ٹیچر کے میر التقرر ہوا تھا اور ۱۵ روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی تھی مگر مشکل سے یہ اسکول دو ایک سال چلا ہوگا کہ بند ہوگیا اسکے ہیڈ ماسٹر شاہ علاء الحق تھے اس اسکول میں ایک زمانہ میں مہاراج گنج کے الیاس یونس، رفیق وغیرہ پڑھتے تھے، بعد میں یہ سب لوگ مشن اسکول میں داخل ہوگئے۔

گاندھی جی اعظم گڈھ میں ۱۹۳۰ء میں اپنے آل انڈیا دورہ کے سلسلہ میں آئے تھے، ان کی تقریر چھترپہ اسکول کے میدان میں ہوئی تھی، ڈائس پر بحیثیت پریس رپورٹر کے مولانا مسعود علی نے مجھکو اور مولوی یحییٰ صاحب کو بٹھادیا تھا اور ہم لوگ بالکل گاندھی جی کے قریب بیٹھے تھے اور ان کا پورا سراپا ہماری نگاہ میں تھا اوسوقت وہ صرف دھوتی پہنے ہوئے تھے ان کے ساتھ کستور بائی تھیں، گاندھی ہم لوگوں کو بہت اچھے اور پاکیزہ نظر آرہے تھے اور ڈائس پر بیٹھی ہوئی تمام معزز خواتین سے خوب لطف ومزاح کی باتیں کررہے تھے، اس وقت تک لاؤڈ اسپیکر ایجاد نہیں ہوا تھا،

ان کی تقریر کو مجمع تک پہونچانے کے لئے بنارس کے سری پرکاش جی کا انتخاب کیا گیا تھا، جو کافی بلند آواز تھے گاندھی جی تقریر کرتے تھے اور وہ دہراتے تھے گاندھی جی اس جلسہ کے بعد مغرب کے وقت دارالمصنفین آئے تھے جہاں مغرب کی نماز ہو رہی تھی ان کو پورا دارالمصنفین لالٹین کی روشنی میں دکھایا گیا ہم لوگ چونکہ گاندھی جی کو دیکھ کر پورے سیر ہو چکے تھے اس لئے اس وقت ہم گھر چلے آئے تھے، اس طویل دورے کے بعد انفرادی سول نافرمانی کا اعلان ہوتھا۔

پنڈت مدن موہن مالویہ تنہا نہیں پنڈت موتی لال نہرو کے ساتھ صرف ایک مرتبہ اعظم گڈھ یا دارالمصنفین آئے تھے، دونوں بزرگوں میں بیحد بے تکلفی تھی اور دونوں ایک دوسرے سے خوب مذاق کرتے تھے۔

ڈاکٹر ضیاؤالدین اعظم گڈھ کے حلقہ ہی سے پارلیمنٹ کے لئے کھڑے ہوئے تھے اور کامیاب ہوئے تھے اس لئے شبلی منزل کے لوگوں کے بڑے شکر گزار تھے، پہلی مرتبہ وہ کب آئے اس کی یاد مجھے نہیں، وہ ریاضیات کے بہت بڑے اسکالر تھے، وہ اپنے خیالات میں اتنے کھوئے رہتے تھے کہ بالکل مجذوب معلوم ہوتے تھے اور ان کے بھرے بھرے گول سے خوبصورت چہرے پر فرنچ کٹ ڈاڑھی بہت اچھی لگتی تھی، لوگوں کو پہچاننے میں ان کی یاد داشت اچھی نہیں تھی عزیر صاحب علیگڑھ میں اون کے شاگرد رہ چکے تھے، مسجد میں عصر کے وقت انہوں نے ایک شاگرد کی حیثیت سے اپنا تعارف کرایا، اچھا آپ کو میں نے گورکھپور میں دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ وہ تحریک پاکستان کے شباب میں آئے علی گڑھ کی حمایت میں میرا ایک بہت ہی طویل اور پرزور مضمون منشور میں نکلا تھا، کالج کے میدان میں شاہ معین الدین احمد نے کالج کے ایک بہت بڑے ہمدرد اور اس مضمون کے مضمون نگار کی حیثیت سے میرا ان سے تعارف کرایا تو بہت محظوظ ہوئے، ڈاکٹر ضیاؤالدین بہت پڑھے لکھے بلکہ اپنے دور میں ریاضیات اور معیشت کے امام تھے، ریاضیات کی کسی شاخ میں اونہوں نے غالباً جرمن سے ڈاکٹریٹ کیا تھا، سرسید کی پالیسی اور خیالات کے بہت بڑے ترجمان تھے۔

مولانا شیروانی کے ساتھ نواب مزمل اللہ خاں نہیں آئے تھے البتہ مولانا شروانی کی تحریک سے انھوں نے دارالمصنفین میں مسجد کی تعمیر کے لئے آٹھ ہزار روپے دئے تھے، دار المصنفین کی موجودہ مسجد انہی کے روپیہ سے تعمیر ہوئی ہے۔ محرابوں کے لئے دری کے پردے اور جانماز کے لئے دری کا فرش بھی انہی نے دیا تھا، شیروانی صاحب کے خیر مقدم میں جلسہ کالج کے میدان میں ایک وسیع شامیانہ میں جسٹس اقبال کی صدارت میں ہوا تھا اور مولانا اقبال سہیل نے اپنا لکھا ہوا سپاسنامہ پیش کیا تھا جو اون کے ادب وانشاء کا شاہکار تھا، اسکے شکریہ میں مولانا شیروانی کھڑے ہوئے تو شبلی کی یاد نے اون پر اتنی رقت طاری کردی کہ وہ ایک حرف نہ بول سکے اور بیٹھ گئے اور یہ بزم عشرت مجلس ماتم میں تبدیل ہوگئی۔

مولانا مفتی کفایت اللہ (۱) اور مولانا احمد سعید (۲) صاحب حکیم صاحب کے یہاں ایک رشتہ کے سلسلہ میں آئے تھے اور دارالمصنفین میں قیام فرمایا تھا حکیم صاحب نے ان بزرگان کرام کی ایک وقت بہت شاندار دعوت بھی کی تھی مگر یہ پتہ نہیں چلا کہ یہ رشتہ کیوں نہیں ہوسکا، جبکہ درمیان میں مولانا سید سلیمان ندوی جیسے بزرگ تھے مولانا کفایت اللہ جبتک شبلی منزل میں رہے مولانا مسعود علی ندوی خود اپنے ہاتھ سے ان کے لئے پاخانہ میں لوٹا رکھتے تھے ان کی خدمت کرنے میں وہ بہت ہی فخر محسوس کرتے تھے، مولانا کفایت اللہ بیحد کم سخن اور باوقار تھے اوس کے مقابلہ میں ان کے شاگرد یا پرائیوٹ سکریٹری مولانا احمد سعید بہت ہی چرب زبان اور خالص دہلوی زبان بولتے تھے، جس پر اون کو بے پناہ قدرت تھی۔

اوس زمانہ میں دارالمصنفین میں تراویح آٹھ رکعت ہی ہوتی تھی جس پر بہت زمانہ تک عمل درآمد رہا حکیم صاحب ۲۰ رکعت اپنے گھر کی مسجد میں پڑھکر آتے تھے اور آٹھ رکعت شبلی منزل والوں کے ساتھ پڑھتے تھے وہاں بہت بعد میں بیس رکعت تراویح ہونے لگی جس کا سلسلہ ابتک قائم ہے، مجھے حکیم صاحب کی اقتداء میں تراویح پڑھنے کا اتفاق بہت کم ہوا ہے

(۱) م: ۳۱ر دسمبر ۱۹۴۲ء مدفن دہلی، تاریخ ''فقیہ الامت مولانا کفایت اللہ''

(۲) سحبان الہند (م: ۴ر دسمبر ۱۹۵۹ء مدفن دہلی)

البتہ اسی مسجد میں ختم قرآن کے دن مجھکو خاص طور سے مدعو کرتے تھے اور شیرینی سے تواضع فرماتے تھے وہ راجہ صاحب کی قلعہ کی مسجد میں بھی ہر سال تراویح پڑھاتے تھے تمام اعزہ ان کے ساتھ ہوتے تھے۔

ہم لوگ ۳۷ء کی کانگریس وزارت کے زمانہ میں لکھنو گئے تھے تو زین العابدین صاحب کے مہمان تھے دونوں بھائیوں نے مہمان نوازی کا حق ادا کر دیا وہ اسوقت چار باغ اسٹیشن کے قریب بلرام پور کے ایک کوارٹر میں رہتے تھے اس سفر کے موقع پر یحییٰ صاحب کی نظم کا علم مجھے بالکل پہلی مرتبہ اس کتاب سے ہوا، واقعی بہت ہی پر جوش اور ولولہ انگیز نظم ہے اور یحییٰ صاحب تو نظم گوئی کے بادشاہ تھے وہ اس میدان میں اپنے استاد مولانا اقبال سہیل (۱) کے ہمسر تھے گو انھوں نے اپنی شرافت، سعادتمندی اور خاکساری کے برابر اپنے کو ان کا شاگرد سمجھا مگر یہ تلمذ برائے نام ہی تھا ورنہ یحییٰ اپنے شاعرانہ ذوق کے لحاظ سے تلامیذ الرحمٰن کی صف میں داخل ہیں، وہ خود اپنے آپ ہر صنف شاعری میں استاد تھے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کو ایک شاعر کی حیثیت سے بھیجا تھا اور ھندوستان کے تمام مشاہیر شعراء اور ارباب ذوق کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ مولانا ابوالکلام نے ان کے مجموعہ کلام کے پہلے حصہ نوائے حیات پر پیش لفظ لکھا اور ان کے فطری شاعر ہونے کا اعتراف کیا۔

وہ شاعر ہونے کے ساتھ بہت اچھے نثار بھی تھے اور بہت ہی شگفتہ اردو لکھتے تھے وہ بہت اچھے نقاد بھی تھے فارسی کا ذوق تو علامہ سہیل ہی کے برابر تھا گو وہ ایم ایم، اے تھے ان کے فارسی کلام پر قاآنی کے کلام کا دھوکا ہوتا ھے دارالمصنفین کے رفقاء میں کسی دور میں بھی کوئی شاعر نہیں تھا اس خلا کو انھوں نے اپنی ذات سے پورا کیا تھا اور دنیا ان کو دبستان شبلی کا ایک قادر الکلام شاعر سمجھتی تھی، ان کا کلام برابر معارف (۲) میں شائع ہوتا تھا ان میں اللہ تعالیٰ نے ایسا فکری ذوق پیدا کر دیا تھا جس سے کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا تھا اور ہر شخص ان کے سامنے سر خم کر دیتا تھا لیکن وہ نہ

(۱) مقرر، شاعر، وکیل، شبلی کے عزیز ترین شاگرد (م: ۷ نومبر ۱۹۵۵ء، اعظم گڑھ)

(۲) دارالمصنفین کا ماہنامہ علمی رسالہ

مشاعرے کے شاعر تھے اور نہ مشاعروں میں شرکت کرنا پسند کرتے تھے وہ ایک مرتبہ کمپنی باغ کی نمائش کے سلسلہ میں اسکے مشاعرہ میں جس میں ہندوستان کے چوٹی کے تمام ہندو مسلم شعراء مدعو تھے، امین الدین صاحب وکیل کے اصرار سے حکیم صاحب کے ساتھ شریک ہوئے تھے، جب ان کا کلام پڑھا جانے لگا تو جگن ناتھ آزاد (۱) اور عرش ملسیانی (۲) وغیرہ کی نگاہیں ان کی طرف اٹھ گئیں بعد میں ان تمام شعراء سے اون کے براہ راست تعلقات ہو گئے تھے وہ ان کے قدردان ہو گئے تھے۔

میں یحییٰ صاحب پر اپنے مذکورہ بالا تاثرات لکھ چکا تھا کہ یحییٰ صاحب پر آپ کے زرنگار قلم کا حصہ پڑھا، آپ نے اون پر خوب لکھا ہے اسکا ایک ایک لفظ میں نے بڑی دلچسپی سے پڑھا آپ نے یحییٰ صاحب کی خوب تصویر کشی کی ہے، واقعی وہ بڑی خوبیوں کے آدمی تھے، باوجود بہت کم پڑھے لکھے ہونے کے بہت زیادہ پڑھے لکھے اور صاحب قلم تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے شاعری کیساتھ علم لدنی بھی عطا فرمایا تھا، ہر موضوع پر نہایت عالمانہ گفتگو کرتے تھے حیاوشرم کے تو وہ مجسمہ تھے الحیاء شعبتہ من الایمان کے وہ صحیح مظہر تھے، زندگی بھر میں نے ان کی پنڈلی کھلی ہوئی نہیں دیکھی حیا اون میں اسقدر تھی کہ حیا بھی ان کو دیکھ کر شرما جاتی تھی۔

مجھے آپ کی تحریر سے پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ وہ گوناگوں امراض کا مجموعہ تھے مگر مجھ سے کبھی اپنے مرض کا ذکر نہ کیا اور نہ ان کی زندگی کی تکلیفوں سے واقف ہوں وہ زیابطیس کے بھی مریض تھے حالانکہ وہ میٹھی چیزوں کے عاشق تھے اور اس معاملہ میں وہ بالکل مولانا شبلی کے ہم مذاق تھے ان کو تو رسیاول بھی باوجود حد درجہ میٹھا ہونے کے نمکین معلوم ہوتی تھی وہ اس میں اور زیادہ شکر ملا کر استعمال کرتے تھے یہی حال یحییٰ صاحب کا تھا میں ان کو زیادہ میٹھی چیز کھانے اور استعمال کرنے سے برابر روکتا تھا۔

---

(۱) مشہور شاعر، ماہر اقبالیات، (پ: ۵ر دسمبر ۱۹۱۸ء میانوالی، پاکستان)

(۲) بال مکند پنڈت، مدیر آجکل دہلی، (م: ۲۵ر ستمبر دہلی ۱۹۸۹ء)

دارالمصنفین میں وسط فروری ۴۲ء میں اوسکی مجلس انتظامیہ کا جلسہ تھا، اوس کے دوران میں معلوم ہوا کہ یحییٰ صاحب نہیں آرہے ہیں بیمار ہیں میں نے اس بیماری کو کچھ بہت زیادہ اہمیت نہیں دی اور نہ دارالمصنفین میں کسی نے کچھ زیادہ اسکو اہم سمجھا، اور کوئی شاید اوسوقت تک ان کو دیکھنے بھی نہیں گیا، مولانا مجیب اللہ صاحب کے یہاں ایک دن صبح کو تمام ارکان انتظامیہ کا ناشتہ تھا، میں گھر سے اس میں شریک ہوا تھا، وہیں سے تمام ارکان رکشوں پر روانہ ہوگئے اور میں شاہ معین الدین اور صباح الدین صاحب کے ساتھ باتیں کرتا ہوا شبلی منزل واپس آیا، اس دوران میں بھی یحییٰ صاحب کی علالت کا کوئی ذکر نہیں آیا، میں ایک روز چار بجے گوری شنکر گھاٹ کی سڑک سے گذر رہا تھا کہ ابراہیم خاں سے ملاقات ہوئی اونہوں نے کہا کہ آپ یحییٰ صاحب کو دیکھنے نہیں گئے وہ سخت بیمار ہیں بہت نازک دور سے گزر رہے ہیں آپ ان کو دیکھنے ضرور جائیے۔ میں اس دن یا دوسرے دن ان کو دیکھنے گیا، وہ اپنی بیماری سے سخت مضطرب تھے اور چاہتے تھے کسی نہ کسی علاج سے صحتیاب ہو جائیں رہ رہ کے وہ علاج بدلتے تھے اوسوقت بنرجی کا علاج ہو رہا تھا، بیماری سے اون کا اضطراب دیکھا نہیں جاتا تھا بیماری نے بہت سخت اپنی گرفت میں لے لیا تھا، حکیم صاحب بھی اون کی حالت دیکھ کر سخت پریشان تھے، وہ اپنی تدبیر کر چکے تھے وہ بیک وقت اس تھوڑے عرصہ میں کئی مہلک امراض میں مبتلا تھے، مجھے ان کے ذیابطیس اور بلڈ پریشر کی شکایت کا کوئی علم نہیں تھا، ان کو استسقا کی بھی بیماری ہوگئی تھی، ان کو اٹھا کر لوگ مشن ہاسپٹل لے گئے جہاں اون پر فالج گرا، دماغ کی رگیں پھٹ گئیں اور اسی اسپتال کے اندر ہی ان کا انتقال ہوگیا، اوی کی صبح کو میں پیدل مشن ہاسپٹل دیکھنے گیا تھا، بیہوش پڑے تھے، میں نے شبلی منزل آکر اون کی اس نازک حالت کی خبر دی مگر شاہ صاحب اور صباح الدین صاحب اپنی گوناگوں دفتری مصروفیتوں اور اپنے دوسرے معمولات کیوجہ سے اسوقت اسپتال پہنچے جبکہ ان کا انتقال ہو چکا تھا، ان کو بیحد افسوس ہوا اور شاہد کلیم کو بڑی تسلی و تشفی دی خون سے اون کا چہرہ بھرا ہوا تھا، ان کا جنازہ مغرب کے گھر لایا گیا اور صبح کو دوسرے دن نئے قبرستان میں بصد حسرت و افسوس ان کی تدفین ہوئی جنازہ

میں ان کے ادب وشاعری کے تمام قدرداں موجود تھے مرزا احسان (۱) بھی موجود تھے جنہوں نے ان کی فرمائش پر جامعہ دہلی میں ابھی ابھی اپنے خاص رنگ میں اون کے دوسرے مجموعہ کلام نوائے عصر پر بہت ہی حوصلہ افزا ریویو لکھا تھا۔ آخر زندگی میں اون سے بڑے تعلقات ہو گئے تھے۔

حکیم صاحب اور وہ ایک جان دو قالب تھے، ہر معاملہ میں دونوں بزرگوں کے سوچنے کا انداز ایک ہی تھا، اتنی ہم آہنگی، ہم رنگی، ہم خیالی شاید ہی دو آدمیوں میں رہی ہو، ان کو پوری زندگی میں حکیم صاحب سے صرف ایک مسئلہ پر اختلاف ہوا مگر وہ اس کا اظہار ان سے نہ کر سکے۔

کسی سفر میں بھی مولانا عبدالسلام ندوی ان کے ساتھ نہیں رہے ہیں نہ مولانا عبد السلام ندوی کا ان کے ہاں آنا جانا تھا، وہ حکیم صاحب کو کچھ زیادہ پسند بھی نہیں کرتے تھے۔ پھر ان کی دنیا بالکل الگ تھی جس سے حکیم صاحب کو کوئی تعلق نہیں تھا، حکیم صاحب اپنے یہاں کی تمام تقریبوں میں اون کو بھی بلوچھتے تھے، حکیم صاحب کو اون سے ذرہ بھی خلا ملا نہیں تھا۔

تمام اصحاب صفہ میں میرے خیال میں ادریس صاحب اور یحییٰ صاحب کو سب سے زیادہ حکیم صاحب سے خلوص تھا، یہ دونوں حکیم صاحب کی پوری زندگی میں دنیا کے ہر معاملہ میں اون کے سو فیصدی ہم آہنگ تھے، شاید ہی ان دونوں صاحبوں کو اون سے اختلاف کی نوبت آئی ہو یہ دونوں صاحب فنافی الحکیم تھے اور حکیم صاحب کے حد درجہ بہی خواہ اور ہمدرد تھے، ان دونوں صاحبوں پر حکیم صاحب کے تعلق کے سلسلہ میں ہمیشہ شک رہا، مگر مجھے بدقسمتی سے حکیم صاحب سے بہت کم آہنگی رہی سیاسی نظریات میں تو ہمیشہ اختلاف رہا۔ میری کچھ رائے ہوتی اون کی اور ان کے اصحاب صفہ کی کچھ اور اس پر روزانہ خوب خوب بحثیں ہوتیں، میں ایک طرف ہوتا اور حکیم صاحب اور تمام اصحاب صفہ ایک طرف اور آخر زندگی میں تو پاکستان تحریک

---

(۱) مصنف، صاحب مقالات احسان

کے سلسلہ میں مجھ میں اور حکیم صاحب میں بہت بڑی خلیج ہوگئی تھی اور میں ان کے علی الرغم سو فیصدی پاکستان تحریک کا ہم نوا مبلغ اور پروپگنڈسٹ، ہوگیا تھا اور جمعیۃ العلماء کے خلاف منشور، دہلی اور دوسرے مسلم لیگی اخبارات الامان دہلی تنویر لکھنو اور نوائے وقت لاہور میں بڑے سخت سخت مضامین لکھے جن کو پڑھکر حکیم صاحب کو سخت روحانی تکلیف ہوتی تھی جمعیۃ العلماء کی اوس زمانہ میں خوب دھجیاں اڑائیں جسکے وہ اعظم گڈھ میں روح روان تھے، اون کو جمعیۃ العلماء اور مولانا حسین احمد مدنی (۱) سے عشق تھا اور مجھکو اسی اعتبار سے حد درجہ ان سے کد تھا، مولانا حسین احمد کو سرے سے پڑھا لکھا آدمی ہی نہیں سمجھتا تھا اور اون کی سخت ہجو کرتا تھا حکیم صاحب کو خبر ہوتی تھی تو اون کو اوس سے بڑا رنج پہونچتا تھا۔

تحریک ختم ہوجانے اور پاکستان بن جانے کے بعد حکیم صاحب سے پھر ویسے میرے مخلصانہ، نیازمندانہ تعلقات ہوگئے اور ان کے اصحاب صفہ میں دوبارہ شامل ہوگیا اردو کی دستخطی مہم میں اون کا بہت ہی پرجوش وسرگرم کارکن تھا اور ان کے ساتھ ضلع کا دورہ بھی کیا، اس مہم سے مجھ سے زیادہ کسی کو شغف نہیں تھا اور اس کی قدر حکیم صاحب کے دل میں بہت تھی، اشفاق صاحب کے میونسپل الکشن میں ان کا سو فیصدی ہم آہنگ تھا، اون کے حلقہ کا دورہ کرتا تھا، میونسپلٹی کی ممبری کو میں حکیم صاحب کا حق سمجھتا تھا، اشفاق صاحب کے کامیاب ہونے میں حکیم صاحب کے تنہا اثر کو دخل تھا اگرچہ یہ خود حکیم صاحب کے لئے اور اشفاق صاحب کے لئے قابل عزت چیز نہیں تھی، دونوں صاحب ہر حیثیت سے اس سے کہیں زیادہ بلند تھے مگر حکیم صاحب نے اشفاق صاحب کے لئے یہ ننگ دوبارہ پسند نہیں کیا۔

حکیم صاحب میں جو خودداری، خود اعتمادی، خود نیکی اور انا تھا اس کا عشر عشیر بھی بدقسمتی سے انہوں نے نہیں پایا، حکیم صاحب نے اپنے والد کی زندگی ہی میں اپنے اس پیشہ سے بڑی غیر معمولی عزت حاصل کرلی تھی اور بڑے سے بڑا آدمی خواہ وہ عدالت کی کرسی پر ہی

---

(۱) شیخ الہند، (م: ۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء، مدفن دیوبند)

کیوں نہ بیٹھا ہو عزت کرنے اور احترام میں کھڑے ہونے پر مجبور ہو جاتا تھا سید صاحب مرزا سلطان صاحب، مولانا سہیل، مرزا احسان صاحب، ڈپٹی عبدالغنی انصاری اور دارالمصنفین کے ہر دور کے رفقا اون کے قدردان تھے، بشیر صاحب نیاز صاحب، عزیر صاحب تو ان کی عزت کے لئے بچھے جاتے تھے، شہر میں ان کی غیر معمولی مقبولیت ومحبوبیت وہر دلعزیزی کا اندازہ ان کے سفر حج سے کیا جا سکتا ہے، کہ ان کی مشایعت کے لئے ان کے گھر سے لیکر تکیہ قایم شاہ تک ہندو مسلمان اور معتقدوں اور نیازمندوں کا ایک ٹھٹھ لگ گیا تھا کہ راستہ چلنا مشکل تھا، اس شان سے شاید ہی کوئی اپنے شہر سے سفر حج کے لئے روانہ ہوا ہو، قاعدہ ہے کہ سفر حج پر جانے سے پہلے ہر شخص لوگوں کے پاس جا جا کر معافی مانگتا ہے بخلاف اس کے حکیم صاحب کے پاس تمام لوگوں نے خود جا کر معافی مانگی، اور اپنا معاملہ صاف کیا۔

حکیم صاحب دوستوں اور خیر خواہوں کے جلو میں پیدل تکیہ قائم شاہ تک آئے جہاں بنارس ان کو پہونچانے کے لئے سرکاری بس کھڑی تھی جو کرایہ پر لے لی گئی تھی، تمام ہندوؤں نے حکیم صاحب زندہ باد کا نعرہ لگا کر ان کو رخصت کیا اور مسلمانوں نے عقیدت ومحبت کا وہ مظاہرہ کیا جو دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا گھر سے چلے تو کچھ دیر کے لئے حاجی عین الحق صاحب کی گودام کے پاس ان کو رکنا پڑا جو اون کے رفیق سفر بھی تھے، اون کے یہاں اس سفر کے سلسلہ میں بڑا جشن تھا، امین الدین صاحب آہستہ آہستہ پیدل چلتے ہوئے تھک گئے تھے کہ عین الحق صاحب کی گلی کے موڑ پر یہ قافلہ پہنچا تو ان لوگوں نے محلہ کے لوگوں کی چارپائیاں کھینچ کھینچ کر تھوڑی دیر آرام کیا۔

بنارس تک پہنچانے والوں میں ایک میں بھی تھا مگر وہاں سے واپس آکر بیمار پڑ گیا، حکیم صاحب اور عین الحق صاحب میں بنارس کے اسٹیشن ہی سے اختلاف شروع ہو گیا جو حج کی واپسی تک قائم رہا تھا جس کے نتیجہ میں عزیزی ہارون کو اون کے کاروبار سے علیحدہ ہونا پڑا حکیم صاحب کو جیسا کہ خیال تھا حج کے زمانہ میں ان کے سابق تجربات کی بنا پر اون کی ذات سے کوئی

آرام نہیں ملا پر سفر میں وہ اون سے کھینچے ہی کھینچے رہے اس میں کیا مصلحت تھی اس کو تو وہ ہی بتا سکتے ہیں، حکیم صاحب کو اون کے اس غیر متوقع طرز عمل سے سخت تکلیف تھی مگر کبھی اس کا اظہار اونہوں نے نہیں کیا اور ان سے تعلقات تمام روایات کے ساتھ اسی طرح برقرار رکھے، انہوں نے اپنی ذات سے محسوس نہیں ہونے دیا کہ اون کو حاجی صاحب سے کچھ شکایات ہیں، عزیزی ہارون کا علیحدہ کیا جانا بجائے خود ایک تکلیف دہ امر تھا لیکن اونہوں نے اس کا بھی اثر نہیں لیا۔

میں نے خود جانے سے پہلے حکیم صاحب کی بہت شاندار دعوت کی تھی جس میں ۴۵ آدمی مدعو تھے اس میں شیو رام رائے ممبر پارلیمنٹ اور نظام آباد کے مولانا عبدالحمید اعظمی بھی تھے، حکیم صاحب کا سفر اعظم گڈھ کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا، مولانا شاہ معین الدین پہلی مرتبہ حج کو گئے تو ایک نفس بھی شہر کا اور شہر کے کسی حلقہ کا ان کو پہنچانے کے لئے اسٹیشن نہیں گیا صرف شبلی منزل کے چند نفوس تھے اور ایک خالی امین الدین صاحب تھے۔ یہی حال مولانا مسعود علی ندوی کی روانگی حج اور واپسی کا بھی تھا، کوئی ان دونوں کا پوچھنے والا نہیں تھا جس کو سن کر علی میاں کو حیرت بھی ہوئی تھی کہ انکے اس شہر میں رہنے کے باوجود یہ حضرات اتنے زیادہ نا مقبول ہیں۔

سعید انصاری صاحب ہمیشہ اپنی عمر مجھ سے بہت کم بتاتے ہیں یہانتک کہ اب تک رفتہ رفتہ وہ اپنی عمر ۴۷ سال کی بھی بتانے لگے ہیں لیکن آپ کی کتاب پر انہوں نے جو دیباچہ لکھا ہے اوس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے کہیں زیادہ بڑے ہیں مدرسہ اسلامیہ میں ان کے اوس سے فارغ ہونے، انگریزی تعلیم کے حصول کے لئے مشن اسکول میں داخلہ ہونے کے بعد میں مدرسہ میں داخل ہوا، میں نہ حکیم صاحب کے عہد میں تھا، نہ ان کے عہد میں تاہم یہ جانتا تھا کہ سعید انصاری صاحب اس مدرسہ کے بہترین طالب علم تھے، اور فارسی خوب بولتے تھے اور مدرسہ چشمہ رحمت کے طالبعلموں جو کبھی کبھی شہر میں آتے تھے، ان سے خوب مقابلہ رہتا تھا، مولوی خدا بخش صاحب کو ان کی شاگردی پر بڑا ناز تھا اور ان کو بیحد مانتے تھے اور انہی کے اثر سے ان کا

فہرست

گزارش احوال واقعی..... مرتب ومصنف	د		
پہلا باب..... تعارف یحیٰ اعظمی اور مولوی عبدالباری	۱	تا	۱۵
دوسرا باب..... حکیم صاحب سے تعارف	۱۶	تا	۳۳
ابوعلی	۳۳		
احوال وافکار ابوعلی	۳۳	تا	۳۷
موازنہ یحیٰ اعظمی اور ابوعلی	۳۷	تا	۳۸
یحیٰ اعظمی، شاعر اور کلام	۳۸		
ابوالکلام اور یحیٰ اعظمی	۴۳	تا	۴۶
جواہر لال نہرو۔ اندرا گاندھی	۴۷		
حبیب الرحمان شیروانی	۴۸		
ڈاکٹر سعید انصاری	۴۹		
شہر لکھنؤ۔ دارالعلوم دیوبند	۵۲		
جشن سیمین جامعہ ملیہ اسلامیہ	۵۴		
جشن طلائی دارالمصنفین	۵۸		
ذاکر صاحب کا خطبہ صدارت	۵۶		

میلان حنفیت سے زیادہ تو ھب کی طرف تھا۔

جامعہ جانے کے بعد اساتذہ میں ان کو مولانا اسلم (۱) جیراجپوری مولانا محمد سورتی اور مولانا عبدالحئی فاروقی جیسے اہلحدیث علماء ملے جن کا اثر انہوں نے بہت زیادہ قبول کیا، مولانا سورتی تو بہت زیادہ متشدد اہلحدیث تھے اور لوگوں کی بڑھی ہوئی لبیں تراشنے کے لئے قینچی لئے پھرتے تھے ایک مرتبہ تو مولانا محمد علی پر حملہ کر بیٹھے تھے جن کی حجامت نہ بنوانے کی وجہ سے لبیں کچھ بڑھ گئی تھیں، مگر تھے وہ بہت زیادہ قابل، عربی لغت وادب کے اپنے دور کے امام سیرت کے بعض مباحث پر اون سے بھی سید صاحب کا مناظرہ رہا، مولانا سورتی نے محمد بن عبد الوہاب نجدی کی کتاب کتاب التوحید جو نجدیوں کے نزدیک قرآن کی حیثیت رکھتی ہے اردو میں نہایت شگفتہ ترجمہ بھی کیا ہے، سعید انصاری صاحب محمد بن عبدالوہاب شیخ نجد کے بہت معتقد ہیں مگر وہ اپنے کو غیر مقلد نہیں حنفی اور مقلد کہتے ہیں، اسی سیمنار میں انھوں نے خاص طور سے اسکا اظہار کیا، حالانکہ اون کے اکثر رشتہ دار اہلحدیث اور مائل بہ تو ھب ہیں۔

اپنے والد حکیم صاحب پر اتنی اچھی اور عمدہ کتاب لکھ کر فرزندی کا آپ نے صحیح معنی میں حق ادا کر دیا، میں اسکی برجستگی اور شیفتگی تحریر پر کن الفاظ میں داد دوں، انشاء اللہ اسکی قدر آپ کی ایک ادیب اور اردو کے اچھے مصنف ہونے کی شہرت کے بعد ہوگی اور اسکو لوگ ہاتھوں ہاتھ خریدیں گے مگر اس کا مسودہ بجائے حماد صاحب کو دکھانے کے مجھ ناچیز اور کم سواد کو دکھلا لیتے، واقعات لکھوانے کے سلسلہ میں حکیم صاحب حافظہ کے کمزور ہو جانے کی وجہ سے جو غلطیاں ہوگئی ہیں اون کی اصلاح ہو جاتی، میں ان تمام واقعات کا چشم دید راوی ہوں اور ان میں شریک بھی رہا ہوں، مگر معلوم نہیں آپ کو اس کا خیال کیوں نہیں آیا، حماد صاحب تو ان تحریکوں کے بہت بعد کی پیداوار ہیں۔

۳ر نومبر ۱۹۸۳ء

---

(۱) مؤرخ اسلام، حیات سعدی وحیات حافظ (م: ۲۸ر دسمبر ۱۹۵۷ء، مدفن جامعہ ملیہ اسلامیہ قبرستان)

احوال وافکار ابوعلی

ابوعلی عربی، فارسی، اور اردو کے باقاعدہ اور مسلم الثبوت طالبعلم اور مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڈھ میں مشہور عالم اور عربی داں حمید الدین فراہی کے شاگرد تھے، اور عربی شاعری اور ادب کی معروف کتاب حماسہ ان سے سبقاً سبقاً پڑھی تھی اس درسگاہ میں وہ مشہور مدرس مولوی اختر احسن اصلاحی برادر عبدالرحمان پرواز اصلاحی وخلیل الرحمان اعظمی اور معروف عالم مولانا امین احسن اصلاحی کے ہم جماعت بھی تھے، ابوعلی نے یہیں سب سے پہلے اپنے مقتدر اور محترم علمی اور روحانی پیرومرشد سید سلیمان ندوی کی زیارت کی تھی جوان کے عربی زبان وادب کے زبانی امتحان کے ممتحن بن کر آئے تھے۔

انھوں نے حدیث میں مُسلم شریف، فقہ میں ابن رشد کی بدایۃ المجتہد، اصول فقہ میں نورالانوار، ادب میں ابوتمام کا حماسہ، کلام وعقائد میں مفتی عبدہ کی کتاب التوحید کا درس بھی لیا تھا۔ بدقسمتی سے وہ اپنی تعلیم اپنے والد کی اچانک وفات کی بنا پر جاری نہ رکھ سکے اور ۱۹۱۸ء میں تلاش معاش میں کلکتہ کا سفر کیا مگر ناکام ہوکر وطن واپس آئے اور قومی اسکول جس کے پرنسپل شاہ علاؤالحق وکیل تھے، میں نویں اور دسویں کلاس میں فارسی کے استاد مقرر ہوگئے مگر ۱۷، ۱۸ سال کے اس نوعمر طالب علم نما استاد کو اپنی کم عمری کی بنا پر اس ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑا۔

یہ ایک عمدہ بہانہ یا سبب تھا کہ ان کو دارالمصنفین میں اپنے محترم قبلہ سید سلیمان کی بارگاہ میں تقرب حاصل ہوگیا، موصوف نے ابوعلی کو اپنے نجی ذخیرہ کے بیشتر عربی اور انگریزی مجلوں اور اختیارات کی ترتیب کا کام سپرد کیا جن میں ماڈرن ریویو، کلکتہ، المنار، المقتطف، مصدر، الہلال، صبح امید لکھنو، زمانہ، کانپور، اردوئے معلیٰ، علیگڈھ، اور الناظر جیسے شہرہ آفاق رسائل کا مواد بھی ابوعلی کے ہاتھ لگا۔

اپنے بزرگ دوست حکیم اسحٰق کی سفارش پر سید صاحب نے ان کو اپنا مستقل علمی

معاون بنالیا اور اپنے مضامین اور کتابوں کے علاوہ، دارالمصنفین کی دیگر کتابوں کے مسودوں کی تسوید وتبییض اور پروف ریڈنگ کا کام سپرد کیا، ابوعلی نے یہ تمام کام اس خوبی سے انجام دیا کہ سید صاحب نے پاکستان جانے کے بعد بھی ان سے یہی خدمت لی اور ادھر ابوعلی اپنے علم، تجربہ اور معلومات میں بھی یکتا ہوتے گئے۔

اس خدمت کے دوران، ان کو مولانا سعید انصاری مولانا عبدالسلام ندوی کی رفاقت، صدر یار جنگ کی زیارت، مولانا سید نجیب اشرف ندوی کی فصاحت مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی اور مولانا عبدالرحمان نگرامی سے ملنے کی سعادت کے علاوہ اعظم گڈھ سے نکلنے والے ایک رسالہ کی ادارت کا موقع بھی ہاتھ آ گیا جس میں وہ اصل اڈیٹر کے اداریہ کو اپنے فرضی نام سے مستقل لکھتے رہے، مخصوص حلقہ میں داد تحسین حاصل کرتے رہے، اور یہیں سے ان کی ادبی زندگی کا آغاز ہوا اور وہ بھی پاکستان کے شدید حامی کی شکل میں، وہ خود اس کا اعتراف ان الفاظ میں کر گئے ہیں:

''یہ اخبار (سہیل) کچھ دن کے بعد بند ہو گیا تو میرا چلتا ہوا قلم بھی رک گیا، اس کے بہت عرصہ کے بعد تحریک پاکستان شروع ہوئی اور اس کی قیادت قائداعظم محمد علی جناح کے ہاتھ میں آئی تو یکایک میرے قلم میں پھر حرکت پیدا ہوئی اور میں آل انڈیا مسلم لیگ کے خاص آرگن منشور، دہلی، تنویر، لکھنو، سہ روزہ الامان، دہلی، روزنامہ حق، لکھنؤ اور لاہور کے مقبول ترین روزنامہ نوائے وقت میں ابوعلی کے فرضی نام سے اس تحریک کی تائید میں مضمون لکھنے لگا، وہ مضامین دار المصنفین کے بعض رفقا کی نظر سے گزرے تو ان کے اسلوب سے سمجھ گئے کہ ان کا لکھنے والا میں ہی ہوں اور اس کا ذکر انھوں نے سید صاحب سے کر دیا، منشور آتا اور اس میں میرے مضامین ہوتے تو سید صاحب ضرور پڑھتے ان کو بڑی خوشی تھی کہ ان کی اور دارالمصنفین کی کتابوں اور معارف کے پروف پڑھتے پڑھتے مجھے قلم پکڑنا آ گیا اور میں مضمون نگار ہو گیا۔

ابوعلی کب اور کس اثر کے تحت پاکستان کے موید اور حامی اور مبلغ ہو گئے، یہ معلوم

نہیں ہو سکا ہاں وہ دیوبندی علما کے شدید مخالف، ابوالکلام کے ازلی دشمن مگر بعد میں ان کے اتنے ہی معتقد اور اپنے سیاسی حریف یحییٰ اعظمی کے علی الرغم یہ دعویٰ کہ میں تن تنہا ابوالکلامی فوج سے لڑ سکتا ہوں اور پھر مولانا ابوالکلام کو اہلحدیث کا پیرو ثابت کرنا اور مولانا ابوالکلام پر اپنے ہفوات چھپوانے کے لئے بیقرار ہونا، یہ سب ابتک میری سمجھ میں نہیں آ سکا ہے۔

ابوعلی نے اپنے سیاسی عقائد اور دینی مسلک کے سلسلہ میں بلا مبالغہ ہزار ہا صفحات لکھے اور فاران، کراچی اور صدق جدید کے صفحات ان کے مضامین، خطوط، انشائیوں اور ہفوات کے گواہ ہیں، مولانا عبد الماجد دریا آبادی، مولانا ماہر القادری (۱) اور پاکستان کے معروف اہلحدیث فاضل ضیاؤ اللہ کھوکھر نے کھل کر ان کو داد تحسین دی ہے اور موخر الذکر نے تو ان کی دو کتابیں شائع کر دی ہیں اور تیسری کتاب ابوالکلام جس کی اشاعت ابوالکلام دشمنی کی بنا پر رک گئی تھی، سنا ہے کہ انھیں کھوکھر صاحب نے شائع کر دی ہے، یہ عجیب بات ہے کہ ابوعلی پر تمام عنایتیں اہلحدیث ہونے، اس مسلک پر بے حساب اور بے تکان لکھنے اور سید سلیمان، ابوالکلام تک کو سلفی اور مسلک اہلحدیث کا پیرو ثابت کرنے کی وجہ سے ہیں، یہاں ضیاؤ اللہ (۲) کھوکھر صاحب کے طویل اقتباس کو ملاحظہ فرمائیں:

حضرت مولانا اثری صاحب السلام علیکم

۱۴ اپریل کو نہایت ہی مختصر وقت کے لئے آپ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا تھا، یہ ملاقات صرف دید ہی تک محدود رہی، نہ کچھ خود ہی عرض کر سکا، نہ جناب سے کچھ سن سکا، پھر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ آنکھ پھر دیکھنے کی سعادت سے تو بہرہ ور ہو گئی، اور مولانا ضیاؤ الدین صاحب سے ملنے کا اشتیاق بھی پورا ہو گیا۔

کوئی زمانہ تھا کہ جب الاعتصام آپ کے خوبصورت اور شگفتہ مضامین سے مزین

---

(۱) مدیر فاران (م: فروری، مارچ ۱۹۰ء، جدہ، مدفن جنت المعلی)

(۲) ابوعلی کے نادیدہ شیدائی، اہلحدیث سے متعلق دستیاب ادب کے ناشر

رہا کرتا تھا، آپ کے انداز بیان اور طرز تحریر سے ہر صاحب ذوق لطف لیتا تھا، افسوس ہے کہ یہ سلسلہ موقوف ہوگیا، جب بھی الاعتصام کے فائلوں کی ورق گردانی کرتا ہوں تو آپ کی تحریروں میں عجیب سی کشش اور تازگی محسوس کرتا ہوں، تذکرہ رجال پر لکھنے والوں کی کمی نہیں لیکن علمائے اہلحدیث کے حالات پر آپ نے جس منفرد اور جاندار انداز سے قلم اٹھایا ہے وہ خود اس فن کے لئے باعث عظمت ہے، مجھے یہ جان کر از حد قلق ہوا کہ ابھی تک آپ کے مضامین ومقالات کا کوئی مجموعہ کتابی شکل میں نہیں آسکا۔

الاعتصام، میں نکلنے والے آپ کے تمام مضامین میرے پاس محفوظ ہیں لیکن دوسرے پرچوں مثلاً ترجمان دہلی وغیرہ میں آپ کے چھپنے والے مضامین تک میری رسائی نہیں ہوسکی، میری یہ دلی خواہش ہے کہ علمائے اہلحدیث پر آپ نے جو گرانقدر کام کیا ہے، اس کی اشاعت کی سعادت حاصل کروں آپ نے جو مسودہ مولانا مختار احمد ندوی صاحب کو بغرض طبع و اشاعت دے رکھا ہے، اس کی ایک نقل مجھے بھجوا سکیں تو انشاء اللہ تعالیٰ تمام اشاعت کا بندوبست کر سکتا ہوں۔

مولانا عبد الوہاب آروی مولانا داؤد غزنوی (۱)، مولانا عبد القادر قصوری اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل الکفی کے تذکرے بھی آپ کی توجہ والتفات کے متقاضی ہیں۔

آپ کی دعاؤں کا طالب

ضیاؤ اللہ

ابو علی کو سید سلیمان ندوی سے جو قلبی لگاؤ تھا اور ابو الکلام سے جو سیاسی کد تھا وہ ان دونوں بزرگوں کی معاصرانہ چشمک میں سے کہیں زیادہ تھا، یحییٰ کے رقعات اور ابو علی کے رشحات میں ہر پڑھنے والا اس نقطہ نظر کو بدیہی طور پر سمجھ سکتا ہے، ایک اور طویل مگر اہم اقتباس ناگزیر طور پر

---

(۱) مشہور اہلحدیث عالم (م: ۱۶ر دسمبر ۱۹۶۳ء)

نقل ہے جس سے سید سلیمان کی ابوالکلام پر واضح سبقت کے ساتھ، ابوعلی کی سادہ مگر پرزور تحریر کا انداز ہ لگانے پر دیر نہیں لگتی ہے:

سید صاحب نے اپنے ذاتی مطالعہ اور ذوق سے جو کمالات جمع کر لئے تھے، ان میں ان کے معاصرین میں کوئی بھی شریک نہیں تھا یہاں تک کہ ہر میدان میں اپنی پے در پے فتوحات سے مولانا ابوالکلام آزاد تک کو کوسوں پیچھے چھوڑ دیا تھا، وہ تو اپنے پڑھنے لکھنے کے ذوق اور دوسرے بہت سے وہی کمالات کے باوجود چند ولولہ انگیز مضامین لکھ کر رہ گئے، ان کی تفسیر ترجمان القرآن تک جو انہوں نے بڑے ہمہمہ سے شروع کی تھی نا تمام رہ گئی تو اور کسی کتاب کی تصنیف کی توقع ان سے کیا کی جاسکتی تھی، لیکن سید صاحب نے اس عرصہ میں بہت سارے سنجیدہ اور یادگار علمی کارنامے انجام دئے سیرت کی چار ضخیم جلدیں لکھیں، خیام، عرب و ہند کے تعلقات، عربوں کی جہاز رانی وغیرہ جیسی دقیق کتابیں لکھیں، اور مشرق تو مشرق، مغرب کے فضلا اور مستشرقین تک سے خراج تحسین وصول کر لیا۔

یحییٰ اعظمی اور ابوعلی کے مزاجوں میں فرق بہت تھا یحییٰ کے یہاں جو رکھ رکھاؤ، میانہ روی، اعتدال اور سراپا صبر تھا، ابوعلی اعظمی کے یہاں اس کا فقدان تھا ابوعلی جذباتی، جوشیلے اور نتائج وعواقب سے بے خبر بولتے اور لکھتے جس کے نتیجہ میں ان کو ذہنی تکلیف ہوتی تھی جبکہ یحییٰ بڑے سے بڑا واقعہ اور سانحہ ہو جانے پر بھی صبر واستقامت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے اور ہر کس وناکس کے تبصرہ سے بے پروا۔

دارالمصنفین میں ان دونوں کی حیثیت کلرک اور پروف ریڈر کی تھی، ابوعلی کو تمام علم وفضل کے باوجود رفقا، مہمانوں کا درجہ نہیں مل سکا تھا، پذیرائیوں، جلسوں اور عمائدین کی استقبالیہ مجلسوں میں وہ بیشتر مدعو نہیں ہوتے ایک حساس اور عاقل وبالغ مصنف اور شریف انسان ہونے کے ناطے یہ احساس غلط نہیں تھا مگر یحییٰ بھی تو آخر اسی کا شکار تھے لیکن انھوں نے قلم اور زبان سے اشارتاً اور کنایۃً بھی اس محرومی کا ذکر نہیں کیا بلکہ ایک بار غالباً اتر پردیش

کے گورنر میر اکبر علی خان یا وزیر اعلیٰ ہی، بی گپتا آئے تو ابوعلی کو قابل اعتنا نہ سمجھا گیا اور انھوں نے اسکا اظہار تحریری طور پر یحییٰ سے کیا تو انھوں نے لکھا:

آپ کی داستان غم پڑھ کر بیحد تکلیف ہوئی میں بجز اس کے اور کیا عرض کر سکتا ہوں کہ اس معاملہ میں مجھے آپ کے ساتھ بڑی ہمدردی ہے.... گورنر کا پنچ ہو یا چیف منسٹر کا ڈنر اگر اسکے قریب جانے سے اپنی خودداری مجروح ہوتی ہو تو خود اپنے ذوق تماشا کا خون کر دینا نہیں چاہیئے گورنر تشریف لائے تو صرف چند منٹ کے لئے گیا اور اگر یہ معلوم ہوتا کہ وہاں اس قدر قدغن ہے تو یہ چند قدم بھی نہ اٹھتے اور آئندہ انشاء اللہ اتنا بھی نہ ہوگا، میں یہ کیسے کہوں کہ آپ بھی یہی طریقہ اختیارات کیجئے تو انشاء اللہ محفوظ و مامون رہیں گے۔" (۱)

یہی احتیاط اور سنجیدگی تھی کہ یحییٰ کا احترام ابوالکلام اور سید سلیمان دونوں بزرگوں نے کیا، دونوں نے ان کے پہلے مجموعوں پر بہت اچھے پیش لفظ اور تعارف لکھے اور یحییٰ نے اگر ایک طرف ابوالکلام پر بلا مبالغہ درجنوں نظمیں لکھیں تو سید سلیمان کی صحتیابی، وفد کی آمد، علمی خدمات اور پھر ان کے انتقال پر مستقلاً تین نوحے منظوم کئے۔

یحییٰ اعظمی بھی ہر شاعر کی طرح اپنا مجموعہ کلام بازار میں لانے کے سخت خواہشمند تھے درآنحالیکہ وہ مشاعروں کے شاعر نہیں تھے اور اپنی افتاد طبع کی بنا پر ہمیشہ سامعین کی بھیڑ سے دور مخصوص احباب کے سامنے تحت اللفظ میں اپنے اشعار سناتے ہیں ان کے رقعات میں ان کا یہ رویہ واضح نظر آتا ہے اور انھیں رقعات میں ان کی یہ دیرینہ آرزو کہ ان کا مجموعہ کلام شائع ہو جائے ملتی ہے چنانچہ ان کی زندگی میں ان کا یہ خواب پورا ہو گیا اور ان کے کلام کے دو مجموعے نوائے حیات (دو اڈیشن) اور نوائے عصر ان کی یادگار کے طور پر ایسے باذوق اور سخن فہم طبقہ کے لئے باقی رہ گئے ہیں جو قدیم اور جدید شاعری اور روایتی اصناف سخن کے دلدادہ ہیں۔

یحییٰ اعظمی کے یہ دونوں شعری کلیات ایک طرف تو ان کے شاعرانہ رجحان اور

---

(۱) ملاحظہ ہو رقعہ نمبر ۶۲

دوسری طرف ان کے نقطۂ نظر وہ خواہ قومی ہوں، سیاسی ہوں، مذہبی ہوں خواہ عقیدہ اور مسلک کے مظہر ہیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کے لئے بیسویں صدی کے نصف اول اور دوسری ربع صدی کے سال قوم، مذہبی اور سیاسی حیثیت سے بہت اہم رہے ہیں، تحریک خلافت کے سارے نشیب وفراز، ترک موالات، کانگریس اور مسلم لیگ کی جدوجہد، دوسری جنگ عظیم اور اس کے مہلک اثرات، انگریز کی آمریت شہنشاہت کے بدترین کارنامے اور ایشیا اور یورپ کی سیاسی کشمکش عالم اسلام کی سیاسی اور اقتصادی انحطاطی کیفیت، جاپان کے ہاتھوں روسیوں کی شکست کے نتیجہ میں انگریزی سرکار کا ہندوستانی تسلط ختم ہونا، ملک کی ناگزیر تقسیم، فسادات، ہجرت، پناہ گزینی، دونوں نوزائیدہ ملکوں کے درمیان ۶۵ اور ۷۱ کی جنگ میں ہر ذی شعور ہندوستانی کا دماغ متاثر تھا پھر شاعر اس انقلاب زمانہ اور کروٹیں بدلتی دنیا سے کیسے بے نیاز رہ سکتا تھا اور وہ بھی یحییٰ اعظمی جیسا حساس اور دردمند انسان۔

یحییٰ نے ہر تحریک، ہر موقع پر شبلی اور اقبال، سہیل اور حمید الدین فراہی سے کئی قدم آگے بڑھ کر ان احساسات، خواہشات، واقعات اور حادثات کو شعری جامہ پہنا دیا جو ملک وملت کے دلوں کی دھڑکن تھے اور وقت کا ناگزیر تقاضا تھے، نعت، حمد، مدح صحابہ، عالم اسلام اور مسلمانوں کی حالت زار قومی رہنما، حریت پسند علما، فدائیان قوم وملک، جانباز ان آزادی سرچشمہائے فکر ودانشوری، وفیات رہبران قوم، تشریف آوری وآمد ورفت سربراہان ومفتخر ان قوم سب بلا لحاظ ملک وملت ان کی شاعری کا موضوع بنے چنانچہ نوائے حیات میں آپ بزم قدس، یادرفتگاں، رجال عصر اقبال ملّت علمائے ملت، عصر حاضر اور فرزندان توحید، مناظر فطرت قومی اور سیاسی نظمیں دور وحشت اور متفرق قومی نظموں کے باب میں، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی مفتی ہند، ڈاکٹر انصاری، ڈاکٹر اقبال، مصطفیٰ کمال، مہاتما گاندھی، صدر یار جنگ حبیب الرحمان خان شیروانی، مولانا ابوالکلام، مولانا حفظ الرحمان، پنڈت نہرو کو زندہ اور تابندہ اور پھر مر کر پائندہ بھی

پائیں گے۔

یہی کیفیت اور احساس آپ کو نوائے عصر میں مل جائے گی جس میں ۴۶ نظمیں، استقبالئے، وداعئے، مراثی اور سہرے بھی مل جائیں گے جس کے صفحات مولانا ابوالکلام پر متعدد نظمیں، جواہر لال، لال بہادر شاستری ڈاکٹر رادھا کرشنن، اندرا گاندھی، سید سلیمان ندوی، اقبال سہیل، مولانا عبدالسلام ندوی جگر مرادآبادی، فانی بدایونی اپنے اپنے مرتبہ اور مدارج کے ساتھ جیتے جاگتے ہیں۔

علاوہ ازیں دارالعلوم دیوبند، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دارالمصنفین لکھنو، تاج محل، کشمیر، ۱۵ اگست اپنی تاریخی حیثیت سے معہ بانیان، خدمت گاران، اساتذہ اور نامور شاگردوں کے کارناموں سے اور قدرتی مناظر اور خصوصیات کیساتھ زندہ جاوید ہیں۔

یحییٰ کی شعری صلاحیت کا اندازہ ہم کو اس وقت ہوتا ہے جب ہم ان کو ان کے مختلف النوع اشعار میں پوری دیانت، متانت اور شاعرانہ جرات کے ساتھ نبرد آزما پاتے ہیں، غالباً ان کی اس شاعرانہ صلاحیت کا صحیح اندازہ مولانا ابوالکلام سے زیادہ کسی اور کو نہیں ہو سکتا تھا جو نہ صرف شاعر کے ممدوح، مخدوم ومکرم ہی تھے بلکہ ادب اور شاعری کے امام بھی تھے۔ یحییٰ کے پہلے مجموعہ کلام پر ابوالکلام نے جس مختصر اور ایجازانہ انداز میں ان کا تعارف کرایا ہے وہ یحییٰ کی شاعری کی بہترین سند اور حرف آخر ہے۔ انھوں نے لکھا ہے:

> کچھ لوگ شاعری کرتے ہیں اور کچھ لوگ شاعر ہوتے ہیں صائب نے پہلی صنف کی نسبت کہا تھا، شعر گفتن چہ ضرور اور بالکل صحیح کہا تھا لیکن دوسری صنف کے لئے شعر گفتن نہ صرف ضروری ہی ہوتا ہے بلکہ ناگزیر بھی ہوتا ہے۔
>
> ایسے ہی لوگوں میں یحییٰ اعظمی صاحب ہیں، انکی طبیعت شاعرانہ واقع ہوئی ہے اس لئے جو کچھ کہتے ہیں موثر اور دلنشیں ہوتا ہے، مجھے

یقین ہے ان کا کلام عام طور پر مقبول ہوگا۔

ابوالکلام کان اللہ، دہلی، ار جون ۱۹۵۰ء (۱)

اس کتاب کے مقدمہ میں مولانا سید سلیمان ندوی نے ان کی شاعری کے بارہ میں مندرجہ ذیل رائے دی:

شاعر کی نظموں میں جو قوت محسوس ہوتی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ اس کا موضوع بیان قوت کے وہ دو سر چشمے ہیں جن کو استاد شبلی نے حیات و ترقی کا مبنی قرار دیا ہے، ان کی نظم مذہب و سیاست کا مطلع ہے۔(۲) یحییٰ اعظمی کے دوسرے محترم ڈاکٹر ذاکر حسین خاں تھے، انھوں نے اپنے دوسرے مجموعہ کلام نوائے عصر کیلئے صدر جمہوریہ ہند کی رائے تیمنا و تبرکاً مانگی تھی، ذاکر صاحب نے شاعر یحییٰ کا تعارف اس طرح کرایا:

مجھے طالبعلمی کے زمانہ میں سہیل کی رفاقت نصیب ہوئی، ان کی قدرت کلام نے میرے دل پر گہرا اثر ڈالا، اس قدرت کلام کی جھلک مجھے یحییٰ صاحب کے قلم میں دکھائی دیتی ہے جنھیں سہیل سے گہرا تعلق تھا، مجھے تو ان کی بعض نظموں کو پڑھتے ہوئے ایسا گمان ہوتا ہے کہ سہیل کی نظم پڑھ رہا ہوں۔(۳)

ذاکر حسین خان صدر جمہوریہ ہند، ار اگست ۱۹۶۷ء

خود شاعر یحییٰ اعظمی کا اعتراف سید سلیمان ندوی اور ذاکر حسین خان کی آرا کی تصدیق کرتا ہے، انہوں نے پہلے مجموعہ کلام کے دیباچہ میں اپنا خیال یوں ظاہر کیا:

(۱) نوائے حیات ص ۲

(۲) نوائے حیات ص ۵

(۳) نوائے عصر، مقدمہ

یحییٰ کا منظوم استقبالیہ ۵۸

تیسرا باب ..... رقعاتِ یحییٰ اعظمی ۶۰

چوتھا باب ..... بازگشت ۱۲۲

پیکرِ شرافت ۱۲۳

آہ سہیل ۱۲۷

مجسمۂ صداقت ۱۲۹

پانچواں باب ..... تعلیقات ۱۳۷

سعید انصاری ۱۳۷

عبدالرزاق قریشی ۱۳۸

ضیاء الحسن فاروقی ۱۴۱

میجر علی حماد عباسی ۱۴۵

ضیاء الدین اصلاحی ۱۴۷

کتابیات ۱۴۹

ارباب نظر جانتے ہیں کہ نوائے حیات اس دور ادب کا ایک مرقع ہے جسے حضرت شبلی سے نسبت کا شرف حاصل ہے، چونکہ ملک میں نئے ادب کے غلو کے باوجود ابھی شبلی مکتب ادب کے ذوق شناس موجود ہیں اس لئے امید ہے ایک معتقد شبلی کی یہ حقیر ادبی کوشش حسن قبول سے محروم نہ رہے گی۔(۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ یحییٰ مکتب شبلی کے طالبعلم تھے مگر سہیل سے ان کو بہت لگاؤ تھا، وہ اپنے رقعات میں بار بار ان کا ذکر کرتے ہیں اور سہیل کی یاد میں ان کے دو طویل مرثیے ان کے اس تعلق کا بین ثبوت ہیں چنانچہ دوسرے مجموعہ میں یحییٰ نے اپنے پیش لفظ میں سہیل کو شبلی کے تعلق پر واضح فوقیت دی ہے اور ان کی عظمت کو تسلیم کیا ہے، دیکھئے ذیل کے اقتباس کو:

''ارباب نظر واقف ہیں کہ میرا ذوق دو جدان شبلی سے متاثر ہے اور موخر الذکر (یعنی اقبال سہیل) اور اس ناچیز کے درمیان تو آفتاب اور ذرہ کا ربط رہا ہے اور بلا تامل عرض ہے کہ اس کے پاس جو کچھ بھی ہے سب اسی آفتاب دانش کی ضیا بخشی کا نتیجہ ہے

شعاع فیض کی ہیں یہ نوازشیں ورنہ
کہاں یہ ذرہ کہاں مہر ضوفشان سہیل''

مگر مجھے تو یحییٰ اعظمی میں وہ شاعر جھلکتا نظر آتا ہے جس کا اشارہ مولانا ابوالکلام نے صائب کے الفاظ میں کیا ہے کہ کچھ لوگ شاعر ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ سہیل اور شبلی کی شاعری سے کہیں زیادہ یحییٰ کا کلام اس لئے موثر ہے کہ وہ دلنشیں ہے کہ وہ خالص شاعر ہی نہیں بلکہ ادب اور زندگی کے رشتہ کو محکم اور استوار رکھنا جانتے تھے جس کا اظہار اسی دیباچہ میں یوں موجود ہے:

''جو میرا ادب ہے وہی میری زندگی ہے اور جو میری زندگی ہے وہی میرا ادب ہے''

---

(۱) نوائے حیات طبع دوم، دیباچہ ص ۲

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کسی صلہ اور ستائش سے بے پروا ہو کر جو کچھ محسوس کیا وہ نظم کیا، وہ انسان کی مجد و شرافت اور عزت نفس کے قائل تھے، وہ بے خوف و خطر اپنوں کی لعن طعن، طنز اور تضحیک سے بے نیاز مسلم اور غیر مسلم کی تفریق سے مبرا، لوگوں کے علم و فن خدمت اور مرتبہ کا احترام کرتے رہے اور اپنی شاعری کا موضوع بناتے رہے سیاسی میدان میں ان کا نقطہ نظر ملکی اور قومی تھا جوان کو شبلی اور سہیل سے الہاماً ملا تھا، حسین احمد مدنی، حفظ الرحمان، مفتی کفایت اللہ مولانا ابوالکلام، ذاکر حسین ہی ان کے محدود مخدوم نہ تھے بلکہ گاندھی، نہرو، شاستری اور اندرا گاندھی بھی ان کے لئے وقیع اور لایق صد ستائش تھے۔

مولانا ابوالکلام کے تو وہ ایسے شیدائی تھے کہ الہلال، البلاغ تذکرہ کاروان خیال، غبار خاطر کے علاوہ ان سے متعلق ہر تحریر، تصویر اور تقریر ان کے لئے تعویذ ہوتی، بانکوڑہ، رانچی، احمد نگر، وندھیا چل، آغا خان پیلیس جہاں جہاں مولانا ٹھہرے اسیر رہے ہر مقام یحییٰ کے لئے متبرک تھا، ترکی، مصر اور ایران کا سفر اور شرق وسطی کا دورہ آزاد، یحییٰ کے محترم کی شان کو دوبالا کر رہا تھا۔

اور یہی آزاد جب عازم سفر آخرت ہوئے تو یحییٰ کی آنکھوں کی مانند ان کا قلم بھی اشکبار تھا، وہ قلم جس نے ان کی عقیدت میں نو اشعار کا بہاریہ لکھوایا تھا، مطلع:

عقیدت کی نظر سے مصر و ایران نے زیارت کی ادب سے سرزمین حافظ و خیام نے دیکھا

مقطع:

عروق مشرق وسطی نے روح زندگی پائی نئی رخشندگی پائی نئی تابندگی پائی

اب ۱۳ بندوں کے طویل مسدس میں ماتم کناں تھا، صرف ۳ بند شاعر کے احساس فن اور مرحوم کے تعلق اور قلبی روابط کے گواہ ہیں:

حیف خموش ہو گیا باغ ادب کا عندلیب

اٹھ گیا ہند کا امام سو گیا قوم کا خطیب

اب نہ اٹھے گا حشر تک ایسا مفکر وادیب
حق کا مجاہد خلیل، دین کا منادی ونقیب
فکر جدید وطرز نو، کا وہ محقق کتاب
جس کے صحیفہ کلام کا نہیں دہر میں جواب
آہ وہ کلک خوش نگار، لالہ طراز ولالہ کار
جس کا نوشتہ حسین، ایک صحیفہ بہار
جس کی نگارش جمیل، شعر وادب کا شاہکار
ایک حدیقہ کمال جس کا ہر ایک خط غبار
اس کا حبیب کے کلام، اس کا صدیق سے خطاب
نامہ شوق کی زبور نغمہ وشعر کی کتاب

اور پھر یہ یحییٰ کے کرب واضطراب کا کتنا حسین اور موثر مرقع ہے:

اب نہ اٹھے گا عارف دین حجاز پھر کبھی آہ ابوالکلام سا واقف راز پھر کبھی
ہوگا نہ عندلیب فن نغمہ طراز پھر کبھی دفتر علم ومعرفت ہوگا نہ باز پھر کبھی
آہ نہ جانی اس کی قدر ملت کم شناس نے
مسلم کم سواد نے، امت ناسپاس نے (مارچ ۱۹۵۸ء)

یحییٰ اعظمی کے لئے مولانا کی وفات موت العالم موت العالم ہی نہیں، ان کے فکر واحساس، جذبات ونظریات اور اپنے قلب ودماغ کا خون ہو جانا تھا، ان کو مولانا کی جدائی کا غم اس قدر شدید تھا کہ وہ صرف ایک مرثیہ سے ہی اپنے دل کا بوجھ ہلکا نہیں کر سکتے تھے اور پے در پے کئی مرثیئے لکھ ڈالے۔

اپریل ۵۸ء میں انھوں نے دوسرا مرثیہ اسی عنوان کے تحت لکھا،

کیوں نہ ہوں تیرہ روز آج کشور ہند کے رجال
وقت سحر ہوا غروب ، نیر دانش و کمال
حیف کہ آج بجھ گئی ، آہ کہ ہو گیا خموش
شمع حیات سرمدی ساز نوائے الہلال
کس کے علوئے شان پر قوم کرے گی فخر اب
خاک میں آ مل گیا پیکر عظمت و جلال
خاک دیار ھند سے اب نہ اٹھے گا تا ابد
ایسا ادیب بے مثال ایسا خطیب با کمال
علم و ہنر ہیں سوگوار، فکر و نظر ہیں اشکبار
کہ ہے ادب کا یہ زیاں ، کہ ۔ ہے ہنر کا یہ زوال
لاکھ زمانہ کروٹیں بدلے مگر محال ہے
بزم وطن میں جلوہ ، گر ہو سکے پھر تری مثال
دانش علم و فضل کا ایک حسین مجسمہ
یعنی زفرق تا قدم ایک مرقع کمال
گونج رہا ہے آج تک ساری فضائے ھند سے
تیرے کلام کا جلال ، تیرے خطاب کا جمال
جس کے صریر کلک سے جی اٹھے خفتگان خاک
ہاں وہ مدیر البلاغ ، ہاں وہ نقیب الہلال
جس نے ہمیں عطا کیا ، جس نے ہے لہلہا دیا
ایک صحیفہ ادب ، ایک حدیقۂ کمال

قلب وطن میں اب کہاں تیرے الم کی تاب تھی

ملت غم نصیب کو اور بھی تھا غم رجال

تیری وفات ہے مگر سب سے عظیم سانحہ

آہ یہ ہے وہ زخم غم جس کا نہیں ہے اندمال

دیدہ تر کو کیا ہے کم آہ ترا مآل غم تو ہی نہیں رہا تو اب اور ہو کیا غم مال (۱)

یحییٰ نے ابوالکلام سے گہرے تعلق اور بے پناہ کی بنا پر سب سے زیادہ نظمیں لکھی ہیں ،نوائے عصر میں پانچ عدد صرف ان کے مراثی پر وقف ہیں، وہ اپنے خطوط جو ابوعلی اعظمی کے نام ہیں، میں بھی مولانا ابوالکلام سے متعلق جتنے اختلافی اور اتفاقی موضوعات تھے اور ان کے ناقد ہوں یا ثنا خواں سب پر اظہار کرتے تھے اور ہر حال میں ابوالکلام کا دفاع کرتے تھے۔

یحییٰ اعظمی کو معلوم تھا کہ مولانا اور جواہر لال میں سیاسی اور تہذیبی طور پر کتنا قرب تھا، غبار خاطر آزاد اور چند پرانے خطوط نہرو کا مطالعہ جن لوگوں نے کیا ہے اور کانگریس اجلاس کی قراردادان وزارت کے فیصلوں اور آزاد اور غیر آزاد ہندوستان میں قومی مسائل پر ان دونوں کی ذہنی ہم آہنگی اور اہم فیصلوں پر ابوالکلام کی مسلمہ رائے سے نہرو کا اتفاق سیاسی رہنماؤں اور طالبعلموں کے ذہن سے آج بھی محو نہ ہوا ہوگا۔

مولانا آزاد کی وفات پر نہرو کی زندگی میں جو خلا پیدا ہوا تھا، اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ نہرو بار بار راتوں میں مولانا کی ابدی آرامگاہ پر حاضر ہوا کرتے تھے اور اپنے اضطراب کا اظہار کیا کرتے تھے۔ یہ خبر اُس زمانہ کے اخبارات کا موضوع تھی یحییٰ مولانا آزاد کے اور نہرو کے دوستانہ روابط سے اچھی طرح واقف تھے اور نہرو پر بھی ان کے متعدد مراثی، اور قصائد میں ایسے اہم معاملہ میں دونوں کا معتقد شاعر کیسے خاموش رہ سکتا تھا چنانچہ انہوں نے جواہر لال سے خطاب نظم میں اپنے تاثرات یوں ظاہر کئے۔

---

(۱) نوائے عصر ص ۳۱۰

ملت غم نصیب پر آہ یہ اب ستم نہ کر　　خاک حبیب پر مزید دیدہ تر کو نم نہ کر
دامن خاک پر ہزار لعل و گہر ٹپک پڑیں　　شدت غم سے یوں کبھی قبر پہ سر کو خم نہ کر
خدمت ملک کے لئے وقف تری حیات ہے　　بیش بہا حیات کو نذر غم والم نہ کر
غم ہے اگرچہ سخت غم، جوہر اشک کی قسم　　ولولہ حیات کو گریہ غم سے کم نہ کر
جوش عمل ترا ہو نہ فسردہ و حزین　　قوم کے حال زار پر رحم کر آہ غم نہ کر
حیف مزار دوست پر تیر اگر ارنیم شب　　طبع حزین کو اس طرح مائل ذوق رم نہ کر

آئیں گے تیری بزم میں، لوٹ کے پھر ابوالکلام
آہ یہ انتظار اب، اے میرے محترم نہ کر (۱)

دارالمصنفین اپنے مشاہیر رفقا اور روشن خیال مہذب اور مقتدر، رفقا کی بدولت ہر خاص و عام ہندوستانی رہنما کا دارالاقامتہ تھا شبلی کی متمدن اور وضعدارانہ علم وفضل کی دانشمندانہ روایت کی روشن شمع ہر ذی ہوش کو اپنی طرف پروانہ وار کھینچتی رہی، مولانا مسعود علی ندوی (۲) قومی جدوجہد ہزار ہا ہزار کے ساتھ نہرو خاندان کو بھی اس احاطہ میں لائے بغیر نہ رہ سکی، موتی لال نہرو، جواہر لال اور اس کے بعد اندرا گاندھی اس ادارہ کو نظر انداز نہ کر سکے۔

یہاں کے قدیم کارکن یحییٰ ان اقدار اور روایات کے حامل ہی نہیں بلکہ اس کے خاندانی تعلقات کے چشم دید گواہ تھے، نہرو سے عقیدت اور دارالمصنفین سے ان کا شغف انہیں معلوم تھا اور ان کی بیٹی اندرا گاندھی سے جذباتی لگاؤ ایک فطری امر تھا۔

۲۷ر دسمبر ۱۹۶۷ کو مسز گاندھی الکشنی دورہ پر اعظم گڑھ آئیں تو دارالمصنفین کی قدیم روایت اور اپنے باپ دادا کی روادارانہ وراثت کے رشتہ کو محکم تر کرنے کے لئے، وقت نکالا یحییٰ نے اس موقع پر ۶ بندوں کا ایک مسدس، منظوم خیر مقدم لکھا، ایک بند سے ان کی عقیدت جوش

---

(۱) نوائے عصر ص ۷۸

(۲) مسعود علی ندوی مولوی ۱۸۸۴ پیدائش بمقام بھیارہ بنگلی، ۲۷ر اگست ۱۹۶۴ء وفات کی تاریخ

وخروش اور مسز گاندھی کی عظمت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

بجا ہے گر ہے خرم، آج اعظم گڈھ کا ویرانہ
ہے آنا آپ کا گویا جواہر لال کا آنا
ملا سب کو نوید کامرانی کا ہے، پروانہ
چمک اٹھے نہ کیونکر علم و دانش کا یہ کاشانہ
کہ ہے اب آپ کے فیض قدم سے یہ چمن تازہ
خود آ کر آپ نے کی باپ کی رسم کہن تازہ

صدر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمان خاں شیروانی کی ذات والا صفات کسی تعارف کی محتاج نہیں ان کی علمی حیثیت اور ہندوستان کے اہل علم اور علمی درسگاہوں سے کون واقف نہیں ہے۔ شبلی، ابوالکلام، سید سلیمان، دارالمصنفین، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ان کی تشریف آوری اور خیر مقدم کے لئے چشم براہ رہا کرتے تھے۔ اسی لئے ایک بار جب صدر یار جنگ مدرسۃ الاصلاح کے منتظمین اور دارالمصنفین کے اکابرین کی دعوت پر تشریف لائے تو یحییٰ اعظمی نے ان کی علمی پذیرائی فارسی اشعار سے کی۔

ان کے ان استقبالیہ اشعار میں قارئین کو صرف شاعر کا فن ہی نہیں بلکہ مولانا کے علم وفضل، عظمت اور شخصیت کے وہ مظاہر ملتے ہیں جن کو شاعر نے سن کر اور پڑھکر عقیدت کے ساتھ نظم کر دئے تھے۔

خیر مقدم نواب صدر یار جنگ در مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ

ندا آمد کنون از خوابگاہ حضرت شبلی
خوشا یاری کہ با آن دوری منزل قریب آمد
چراغ دیدہ افغان فروغ دیدہ شیروان
کہ دانش در غلام آباد ہندوستان غریب آمد

زهر حرفش گل خندان لطافت وام می گیرد

صریر خامه اش گوئی نوائے عندلیب آمد

وجودش مجمع البحرین آمد دین ودولت را

که خلقش بردراو، بر در خالق منیب آمد

کنون در جامعیت مثل او دیگر نمی بینم

نقی آمد، تقی آمد، ادیب آمد خطیب آمد

سزدامر وزاگر این مدرسه بر خویشتن بالد

که از فیض قدومش کامگاروخوش نصیب آمد(۱)

اس خیر مقدمی نظم کے صرف منتخب اشعار نقل کئے گئے ہیں۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ صدر یار جنگ کو اسیری کے ایام میں، صدیق ''مکرم'' کے عنوان سے مخاطب نے والے کاروان خیال اور غبار خاطر کے مصنف مولانا ابوالکلام بھی اس جلسہ میں شرکت فرمانے والے تھے اور ان کے سفر اور قیام کی خوشی میں وہاں کے اساتذہ اور طلبہ نے سڑک کی تعمیر اور نئی پلیا تنصیب کی تھی مگر عین وقت پر مولانا کا سفر نہ ہوسکا۔

ڈاکٹر سعید انصاری جامعہ ملیہ اسلامیہ کے مشاہیر اساتذہ میں تھے اور یحییٰ اعظمی کے ہم مسلک وہم مذاق بھی۔ وہ جب امریکہ سے فارغ التحصیل ہوکر پہلے جامعہ ملیہ آئے اور پھر اپنے وطن آئے تو اعزہ، احباب، رفقائے دارالمصنفین نے ان کا بیمثال خیر مقدم کیا۔ راقم خود ایک بچہ تماشائی کی حیثیت سے اس جلسہ میں شریک تھا۔ خاص طور سے یہ بات یاد ہے کہ ان کو شہر والوں نے ناریل، خشک میووں اور نوٹوں کے ہار بھی پہنائے تھے۔

مبارك اهل دانش، را که یار نکته دان آمد

زحکمت خانه مغرب به مشرق کامران آمد

---

(۱) نوائے حیات، طبع دوم ص ۱۹۹

سعیدے راد گر در بزم یاران جلوہ گر بینم
کنون آن ساعت فرخ زدور آسمان آمد
دعائے دوستان ودردمندان بود همراهش
سپهرش ساز گارولطف ایزد مهربان آمد
اگر اعظم کده بر خویشتن نازد رواباشد
کنون آوازه او تابه اوج آسمان آمد
هنیاً لك همی گویند باهم ذاکر وعابد
که آن رند خمستان باز دربزم مغان آمد
سعید ماچو از کولمبیا آمد سوئے دهلی
سعادت در جلو آمد ظفر در کاروان آمد
الٰهی این متاع علم ودین راحفظ تو بادا
کنون دربار گاهت این دعائے همگمان آمد(۱)

ڈاکٹر سعید انصاری کے مزید حالات راقم کی مرتبہ کتاب پروانہ چراغ مزاراور تعلیقات کے باب میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

یحییٰ اعظمی کم آمیز، کم سخن اور مخصوص حلقہ کے باسی تھے سفر اور اس کی دشواریوں اور دقتوں سے خوب واقف تھے۔ اعظم گڈھ کے علاوہ چند ایک شہر دیکھے تھے جس میں لکھنؤ اپنی خوبیوں کی بنا پر ان کو اتنا پسند آیا کہ انھوں نے فارسی زبان میں اس شہر کی ایسی مداحی کر ڈالی جیسی شبلی نے

---

(۱) ڈاکٹر ذاکر حسین خاں اس وقت جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے شیخ الجامعہ

(۲) ڈاکٹر عابد حسین مشہور استاد، دانشور اور جامعہ ملیہ کے اساسی اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔

(۳) نوائے حیات، طبع دوم ۱۹۵۰ ص ۲۰۱

بمبئی کی مگر یحیٰی شاعر ہونے کے باوجود شبلی کی رنگین نوائی اور ان کی بے تکلفی سے دور ہی رہے۔ ملاحظہ ہو:

دمی بگذار ای دور فلك تا لکھنؤ بینم
بچشم آرزو آن مرغزار رنگ وبو بینم
خوشاشهری که بر خاکش سواد خلد می رقصد
چو فردوسی که درباغش بهشت آرزو بینم
بهار مرغزارش دامن دل می کشد اینجا
زبس هر سمت جوش سبزه وفیض نمو بینم
تو می گوئی چمن اندر چمن هر رهگذر باشد
تو می گوئی ختن اندر ختن هر کاخ و کو بینم
همه شهر است آری مرغزار حسن ورنگینی
بهار سبزه وسرو وصنو بر چار سو بینم
چه می گویم چه کار مُشکلی افتد نگاهم را
چو هر جانب هجوم شاهد ان لاله رو بینم (۱)
بلی زیبد اگر این شهر رارشك ارم خوانم
که خاك عنبرینش راسراپارنگ وبوبینم
نگشتم سیر دردا از بهار ستان رنگینش
هنوزم آرزو باشد که دیگر لکھنؤ بینم(۲)

(۱)''نثار بمبیئ کن هر متاعی کهنه ونورا'' کے مطلع سے شروع ہونے والی نظم میں'' هنگامه خوبان ز زردشتی'' سے'' مشکل افتاده است رهرورا '' کے مقابلہ میں یحیٰی کی شاهدان لاله رو کی ترکیب غالبا شبلی کی غزل کا فیض ہے۔

(۲)نوائے حیات، طبع دوم ص ۲۰۲

گزارشِ احوالِ واقعی

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

اُردو داں طبقہ میں فارسی کے بہت سارے محاورے اور ضرب المثل کے طور پر استعمال کئے جانے والے اشعار کی طرح مندرجہ بالا شعر، جس کا دوسرا مصرعہ اس کتاب کا عنوان ہے، زباں زدِ خاص و عام رہا ہے، میں نے بارہا اپنے بزرگوں کی زبان سے سنا اور اکثر ادیبوں کی تحریر میں اس کا برمحل استعمال پڑھا ہے۔

یہ شعر کس شاعر کا ہے میں نے کبھی معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ مگر اس کے اندر جو داستان پوشیدہ ہے اور جو درد ہمہ وقت تڑپاتا ہے اسے تمام دردمند انسانوں کی طرح بھلا نہیں پایا۔ یہ داستان بزرگوں اور ماضی کے ناقابلِ فراموش واقعات کی ہے اور یہ درد و داغ ان کی مفارقت کا ہے جن کے روشن چہروں کے خیال سے مایوسی کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور زندہ اقدار سے سینہ مالا مال ہو جاتا ہے۔

ماضی کے دھندلکوں میں دو روشن ستارے یحییٰ اعظمی اور مولوی عبدالباری ابوعلی اعظمی تھے جو بقول انور صابری میرے والد حکیم محمد اسحٰق کے حلقۂ احباب (اصحاب صفہ) میں ادب، ثقافت اور سیاست کے ممتاز نمائندے تھے اور شبلی نعمانی کی زندہ جاوید یادگار دارالمصنفین اعظم گڑھ کے کارکنان میں تھے، صاحبِ قلم، دلدادۂ شعر و سخن اور رمز آشنائے میدانِ سیاست بھی۔

ماضی کی اس داستان کو میں ان دونوں بزرگوں کی آنکھوں دیکھی زندگی اور اپنے پاس محفوظ تحریر امانت کو، اہلِ نظر، قدر دانِ علم و فن، اور اربابِ سیاست کے حلقہ میں پیش کر کے نہ فقط اپنے سینہ کے داغوں کو تازہ کر رہا ہوں بلکہ اس ذمہ داری سے بھی سبکدوش ہو رہا ہوں جو میرے اوپر ان دونوں بزرگوں کے قرضِ حسنہ کے طور پر باقی تھی۔

یحییٰ اور قومی ادارے

ادارے اشخاص پیدا کرتے ہیں اور اشخاص ہی ان اداروں کی بنا اور بقا کا اہتمام کرتے ہیں، دارالعلوم دیوبند، اے، ام، یو، علی گڈھ، ندوۃ العلماء لکھنؤ، دارالمصنفین اعظم گڈھ، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڈھ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی ہندوستان کی ملی اور قومی تاریخ کا زندہ جاوید کارنامہ ہیں، مولانا قاسم نانوتوی، سرسید احمد خاں، مولانا محمد علی، مولانا شبلی، مولوی محمد شفیع اور بانیان جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ایثار اور ان کے زندہ جاوید اداروں کے ابدی فیض سے شاعر نے بھی الہامی اور علمی فیضان حاصل کیا تھا۔

دارالعلوم دیوبند جدوجہد آزادی میں علمائے دیوبند کی روش نے شاعر کی رہنمائی کی تھی۔ اس کے نمائندوں نے ہندوستان کے شہر شہر اور قریہ قریہ میں دین برحق ایمان اور عقیدہ، قرآن اور حدیث کی جو، جوت جگادی تھی اور آزادی کی جو روح بیدار کردی تھی، شاعر اسے شیخ محمود حسن (۱)، مولانا محمد امداد اللہ اور مولانا قاسم سے لے کر مولانا حسین احمد مدنی (۲) کی مساعی جمیلہ کا ثمر جانتا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے عنوان سے اشعار کی نظم کے چند (ابیات) قلبی کیفیت کے یوں مظہر ہیں۔

ابلتا ہے یہاں سرچشمہ فیض کہن اب تک
ہے اس کی خاک پر روح سلف پرتو فگن اب تک
یہی وہ درسگاہ حق ہے جس کے ذرہ ذرہ پر
فروغ زندگی ہے نقش محمود الحسن اب تک
وطن میں کتنے ہی دور خزاں ناخوشگوار آئے
تر و تازہ ہے یہ امداد و قاسم کا چمن اب تک

---

(۱) محمود حسن، مات: ۳۰ر نومبر ۱۹۳۰ء، مدفن، دیوبند
(۲) مولانا: ۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء مدفن، دیوبند

اٹھے اس سے محدث بھی، مفسر بھی مجاہد بھی
رہا ہے جن کا شیوہ خدمت دین وطن اب تک
عجم سے تا عرب، ہندوستان سے تا بہ ترکستان
ہے جاری اس کی درس عام کا فیض کہن اب تک
وطن میں مرجع ارباب عالم کی یہ محفل ہے
کہ زیب سید اسلاف ہے شیخ زمن اب تک (۱)

جامعہ ملیہ اسلامیہ

بانیان جامعہ نے عصری تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس ادارہ کو قائم کیا تھا، یہ ان امنگوں کی تکمیل تھی اور ان خوابوں کی تعبیر تھی جو آزادی کے متوالوں، انگریزی طریقہ تعلیم سے بیزاروں اور ایک آزاد ملک کے باشندوں کا مطمح نظر ہوا کرتی ہے۔ یکیٰ بھی تو انھیں ہزاروں میں سے ایک تھے، انھوں نے دیوبند نہیں دیکھا تھا، جامعہ ملیہ کی تاسیس کی اڑتی پڑتی خبر سن رکھی تھی، حکیم اجمل خاں (۲) اور ڈاکٹر انصاری (۳) کی قومی خدمات سے واقف تھے اور شاید ہمدردان جامعہ کے وفد کے کسی دورہ میں ذاکر صاحب اور عابد صاحب کی زیارت بھی کر لی تھی اور ہمدم دیرینہ سعید انصاری کے قرب سے اس کی خو بو بھی محسوس کر لی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بنوز دلی دوراست کے فاصلہ کے باوجود اور نظروں کی نارسائی پر بھی ان کی چشم بینا جامعہ ملیہ کو دیکھے بنا رہ سکی۔

۱۹۴۶ء میں جامعہ کا جشن سیمیں جس شان اور کامیابی سے منایا گیا، اس زمانہ کے طلبہ اور رضا کار ہی اسکا نقشہ کھینچ سکتے ہیں مگر شاعر نے بھی کالے کوسوں دور رہ کر اس نادیدہ جشن کی جو

---

(۱) نوائے عصر ص ۱۷

(۲) حکیم محمد اجمل خان دہلوی، مسیح الملک متخلص بہ شیدا ۱۳ فروری ۱۸۶۸ء پیدائش بمقام دہلی، وفات ۲۹،۲۸ دسمبر ۱۹۲۷ء، خاص باغ محل رامپور، مدفن درگاہ رسول نما، دلی۔

(۳) ڈاکٹر انصاری ۱۰ مئی ۱۹۳۶ء مدفن جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

تصویر کشی کی ہے وہ ہر طرح سے قابل ستائش ہے۔ ۲۴ بندوں کی یہ طویل مسدس نما نظم اپنے اندر وہ سب کچھ رکھتی ہے جو ایک آنکھ دیکھ سکتی ہے، صرف ۴ مندرج ذیل بند جامعہ کا سراپا اور یحییٰ اعظمی کا خیالی قلم، منظر عام پر لانے کے لئے کافی ہیں۔

جمال جامعہ (جشن سیمیں ۱۹۴۶ء)

جھکے سجدہ میں سر کیوں نہ آج اہل نیایش کا
کہ سر اونچا ہوا علم و ادب کے فخر و نازش کا
ادا ہو کس زبان سے شکر یارب اس نوازش کا
کہ ہے پچیسواں سال آج اس ایوان نازش کا
ملا صد شکر معراج ادب کا مرتبہ اس کو
بجا ہے آج اگر کہیے وطن کا قرطبہ اس کو

(۲)

وہ دہلی جس نے دیکھے سینکڑوں جشن شہنشاہی
مسلم تھی زمانہ بھر میں جس کی شان جم جاہی
وہ دہلی جس کا صدیوں غلغلہ تھا ماہ تا ماہی
وہ دہلی جس سے پھوٹا چشمہ فیض حق آگاہی
وہ دہلی اہل دل عظمت پہ جس کی آج روتے ہیں
وہ دہلی خاک میں جس کی ولی اللہ سوتے ہیں

(۳)

سنیں آ کر کہاں سننے والے گوش عبرت سے
صدا یہ آ رہی ہے صاف انصاری کی تربت سے

کہ اے بادصبا کہدے مسیح ملک وملت سے
لحد میں سونے والے پیکر تمکین وعظمت سے
کہ جس بیمار غم کی آپ نے کی تھی مسیحائی
خود آ کر دیکھئے اے کاش آج اس کی توانائی

(۴)

خدا بخشے فروغ اس مظہر فیض اکابر کو
کمال اور آب دے دارالعلوم عصر حاضر کو
یونہی چمکائے ہر سو اس کی حکمت کے مظاہر کو
ادب افروز رکھے دیر کے ملت کے ذاکر کو
کہ اس میخانہ اسرار کے ہیں اب یہی ساقی
انھیں کے دم سے میخانہ کا ہے مجد وشرف باقی

دارالمصنفین گہوارہ علم وتمدن

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڈھ علامہ شبلی کی عظیم الشان یادگار ہے جسے شبلی نے ۱۹۱۴ء میں اعلیٰ مصنفین اور اچھے اہل قلم کی جماعت اعلیٰ پیمانہ کی تصنیف وتالیف وترجمہ کا مرکز اوران کی طباعت اوراشاعت کے لئے کتبخانہ اور پریس کا قیام عمل میں لانے کے لئے قائم کیا۔انگریزی، عربی، فارسی اوراردو کی تقریبا ۲۵ ہزار بیش قیمت کتابیں کتبخانہ میں محفوظ ہیں، ماہانہ معارف، شبلی، سید سلیمان، شاہ معین الدین سید صباح الدین عبدالرحمان سے لے کر ضیاؤ الدین اصلاحی تک کی ادارت میں اسلامی تاریخ ادب اور اسلامیات کے موضوع پر ہزاروں مضامین شائع کرتا رہا ہے اورانھیں موضوعات پر بیمثال کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں۔

اگر چہ یہ ادارہ دور افتادہ مقام پر تھا مگر شبلی نے اسے کل ہند ہی نہیں عالمگیر شہرت

بخشدی اور بلا تکلف کہا جا سکتا ہے کہ شبلی اور ان کے رفقا اور شاگردوں نے ہندوستان کے دیگر علمی اداروں کے مقابلہ میں قوم اور ملک کی کم خدمت نہیں کی۔

۱۹۵۱ء میں اس ادارہ کی ۵۰ سالہ طلائی جوبلی منائی گئی اور بقول شاہ معین الدین ۴۷ کے بعد ایسا منتخب اور نمائندہ اجتماع ہندوستان کی تاریخ میں منعقد نہیں ہوا، بیرونی ملک کے اسلامی سفیر بیگم بھوپال، حکومت ہند، حکومت اتر پردیش کے وزرا صوبائی گورنر ہندوستانی تمام مسلم جماعتوں کے اکابر مسلم یونیورسٹی ندوہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، معروف یونیورسٹیوں کے پروفیسر، اسلامی مدارس کے مدرسین اعلی، مشہور صحافی اور ماہرین تعلیم، وکلا، بیرسٹروں کی شرکت اور مقالوں کی کثرت نے سابقہ رکارڈ توڑ ڈالے۔

اور اس میں چار چاند لگانے والی شخصیت ذاکر صاحب کی تھی جن کا خطبہ صدارت بقول شاہ معین الدین قومی اور ملی خدمات اور ادبی فصاحت و بلاغت کا شاہکار اور بقول مولانا سید ابوالحسن علی وہ خطبوں کا تاج محل تھا۔ یہاں اس وقت کے نائب صدر جمہوریہ ہند ذاکر حسین خاں کے خطبہ صدارت کا ایک اہم اقتباس ملک کے سربراہ جامعہ ملیہ کے محسن اور دارالمصنفین کے مشفق کی حیثیت سے کم اہمیت کا حامل نہیں ہے۔

''مجھے آج فخر ہے اس پر کہ پچھلی نصف صدی میں ہمارے ملک میں سیاست کی تند و تیز آندھیوں کے درمیان تحقیق و تخلیق کے چراغ جلتے رہے اور علم و ادب کی جوت جگاتے رہے اور مسرت ہے اس کی کہ ان میں سے ایک سراج منیر دارالمصنفین اعظم گڈھ ہے جس کے ساتھ مجھے کئی رشتوں سے وابستہ ہونے کا شرف حاصل ہے، اس لئے کہ یہ یادگار ہے میرے محترم بزرگ مولانا شبلی نعمانی اور ان کے شاگردان رشید مولانا سید سلیمان ندوی اور مولوی عبدالسلام ندوی مرحومین کی اور کارنامہ ہے، میرے محترم اور شفیق بھائی مولوی مسعود علی صاحب ندوی اور عزیز دوست شاہ معین الدین ندوی اور مولوی صباح الدین عبدالرحمان اور ان کے رفقائے کار کا اور اس لئے کہ اس سے جامعہ ملیہ اسلامیہ جس کی خدمت میں نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ گزارا ہے، ہم

خیالی اور ہم مشربی کا تعلق رہا ہے، ان ذاتی تعلقات سے قطع نظر ایک مسلمان اور ہندوستانی کی حیثیت سے مجھے یہ ادارہ جو قوم کی بیش بہا دولت ہے دل سے عزیز ہے اور اس کے جشن میں شرکت کر کے یہی خوشی محسوس ہوتی ہے۔''

یحییٰ اعظمی ۱۹۲۰ء یا ۱۹۲۲ء میں دارالمصنفین میں شعبہ انتظامیہ میں محاسب کی حیثیت سے ملازم ہوئے، اس حساب کم وبیش کے جھمیلے میں پھنسے رہنے کے باوجود وہ اپنی علمی وادبی کاوشوں کو جاری رکھنے کا اہتمام کرتے رہے اور اگر چہ وہ درجہ میں رفقائے دارالمصنفین سے کسی طرح کم نہ تھے مگر ایاز خود را بشناس کا مقولہ ہمیشہ پیش نظر رہا اور وہ پوری وضع احتیاط کے ساتھ وہاں خوش اسلوبی سے گزارا کرتے رہے اور گرم وسرد کا گھونٹ پیتے رہے۔ آپ کو ان کے خطوط میں جو ابوعلی اعظمی کے نام ہیں، یہ کرب اور احتیاط وضاحت سے نظر آجائینگے۔

وہ اپنے خون جگر کو شاعری کی کھیتی کی آبیاری کے لئے وقف کرتے رہے تھے اور یہی وجہ تھی کہ ان کی شاعری کے دو ایسے جلیل القدر، قدر دان ملے جو اوروں کو خواب وخیال میں بھی میسر نہیں ہو سکتے، میری مراد، حضرت مولانا ابوالکلام کی ذات گرامی اور محترم ذاکر حسین صاحب سے ہے جنھوں نے ان کی شاعری کی قدر افزائی کرتے ہوئے ان کے کلام پر شایان شان تعارفی اور تعریفی کلمات لکھے، ذاکر صاحب کی جشن طلائی پر آمد شاعر کے لئے نوید مسرت اور تہنیت عید کا پیغام لائی، دارالمصنفین اور اس کی تاریخی خدمات کا منظوم خراج عقیدت یحییٰ کے لئے باعث فخر تھا، اس کے چند اشعار اس طرح ہیں۔

جشن دارالمصنفین

دیدنی آج ہے دانش گہ شبلی کا وقار — نظر افروز ہے گلزار معارف کی بہار
آئے ہیں دہر کے ارباب نظر بہر طواف — بن گیا کعبہ فن علم ومعارف کا دیار
اللہ اللہ یہ رعنائی بزم شبلی — آج فردوس نظر ہے یہ حریم افکار
وہ کتب خانہ حکمت وہ حریم سیرت — نقش ہے جس کے صحیفوں میں حیات سرکار
تہنیت سنج ہیں اس ذوق سے ارباب کمال — گونج اٹھا نغمہ تبریک سے شبلی کا دیار
ہے جو مرقد کے قرین جشن معارف برپا — شور احسنت بلند است زبالین مزار
جمع ہیں آج جو اس بزم میں اصحاب کمال — دیکھنے آئے ہیں سب محفل شبلی کا جمال
عہد حاضر کا یہ دانش کدہ علم وکمال — ہے بجا آج جو ہے مرجع اعیان نظر
شبلی وسید مرحوم کا گہوارہ فن — ادبستان معانی ودبستان نظر
زندہ ہیں آج بھی اے سید فردوس نشین — تیرے اصحاب ہنر تیرے رفیقان نظر
اللہ الحمد ہے اب تک وہ حیات مسعود — فیض سے جس کے ہے معمور یہ ایوان نظر
ہے اسی شان سے یہ مجلس دانش قائم — کار فرما ہے جو فیضان سلیمان نظر
فیض میخانہ ہے جو نصف صدی سے جاری — پئے تبریک یہاں جمع ہیں رندان نظر
ہو مبارک اسے یہ فکر ونظر کی تقریب — ہو مبارک اسے یہ جشن ہنر کی تقریب

یحییٰ اعظمی نے اپنے ان دونوں مجموعوں کے علاوہ بھی اپنا کلام رسالہ معارف اور دوسرے قومی مجلوں میں شائع کرایا ہے اور اس قدر کثرت سے کہ خود ان کو بھی یاد نہیں اور جس کا اظہار وہ اپنے خطوط میں جا بجا کر گئے ہیں۔

ان کی پیدائش ۱۹۰۵ء میں اعظم گڈھ کے مشہور قصبہ مہاراج گنج میں ہوئی تھی، ان کے والد جو مبارکپور اعظم گڈھ ٹاؤن ایریا کے انتظامی افسر تھے اور ایک اچھے شاعر تھے۔ یحییٰ اعظمی نے

ان کے دیوان کا ذکر کیا ہے مگر کوئی نمونہ کلام پیش نہیں کیا تا کہ اس کی قدر و قیمت کا اندازہ کر کے کم از کم ان کے سعادتمند بیٹے کے کلام کا اندازہ کیا جا سکتا۔

یحییٰ صاحب ۲۳ر فروری ۱۹۷۲ء کو اس دیار سے رخصت ہوئے ٹھیک ۱۴ برس پہلے ان کے محبوب رہنما ابوالکلام ۲۲ر فروری کی ہی تاریخ کو داعی اجل کو لبیک کہہ چکے تھے اور اس طرح ایک باوقار، وفا شعار، مخلص اور دردمند شاعر دنیا کے ہر اچھے انسان کی طرح حسرتوں اور نامرادیوں کا پشتارہ اپنی پشت پر لادے اس سرائے فانی کے کسی نامعلوم دروازہ سے یوں رخصت ہو گیا گویا اس کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔

مگر اس کہ دلآویز نثر اس کی دلنشیں نظمیں اپنے محاسن و معائب کے ساتھ اہل ذوق و شوق کے دلوں کو دلچسپی کا سامان اسی طرح فراہم کرتی رہیں گی جیسے قدما، متوسطین اور متاخرین فارسی اردو کے نثر نگار اور سخنور بقول فردوسی طوسی

نمیرم ازین پس کہ من زندہ ام
کہ تخم سخن را پراگندہ ام

رقعات یحییٰ اعظمی

(۱)

یہ بحث (۱) اب اتنی فرسودہ ہوگئی ہے کہ اس میں ذرا بھی دلچسپی باقی نہیں رہ گئی ہے لیکن چونکہ یہ آپ کے قلم کی تحریر ہے اسلئے میں نے اسے دلچسپی اور شوق سے پڑھا، سید صاحب کے مضمون کے اثبات میں آپ کے دلائل پُر زور اور نا قابل انکار ہیں۔ لیکن اب اس کی ضرورت ہی کیا ہے، میرے خیال میں تمام اہل نظر نے اسے تسلیم کرلیا ہے کہ یہ مضمون سید صاحب ہی کا ہے لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ بالفرض، اگر یہ مضمون سید صاحب کا نہ ہوتو اس سے ان کے فضل وکمال میں کیا کمی آجاتی ہے یا وہ اگر مولانا کا ہوتو اس سے ان کے غیر معمولی کمالات میں کیا اضافہ ہوجاتا ہے جہاں تک مولانا کے اعلان واظہار کا تعلق ہے تو آپ جانتے ہیں کہ اسطرح کے اہم سے اہم بحث ونزاعات میں جب وہ خاموشی واعراض فرماتے تھے تو یہ کوئی ایسا اہم مسئلہ تھا جس میں ان کے اعلان کی ضرورت پیش آئی، پھر بھی اڈیٹر مدینہ (۲) کے پیہم اصرار اور درخواست پر اپنے خاص انداز میں ان کو یہ فرمانا ہی پڑا ''میرے بھائی اگر سید صاحب الہلال (۳) کے چند مضامین کو اپنی ملکیت قرار دیتے ہیں تو آپ مان لیجئے اس سے میرا کیا بگڑتا ہے۔

---

(۱) یہ رقعہ غالباً اس مضمون سے متعلق ہے جو مسجد شہید گنج کانپور کے سانحہ پر سید سلیمان ندوی نے الہلال میں لکھا تھا لیکن دونوں بزرگوں کے معتقدین نے اسے بحث کا موضوع بنالیا تھا۔ یحییٰ اعظمی دونوں بزرگوں کے بڑے غالی عقیدتمند تھے اور سیاست میں تو مولانا ابوالکلام کے پیرو اور ان کے علم وفضل اور ہر قسم کی تحریر پر شیفتہ تھے چنانچہ اس رقعہ کی آخری سطریں اس تعلق کی گواہ ہیں۔ آیندہ رقعات میں یحییٰ اعظمی کا مولانا ابوالکلام کا حد درجہ احترام اور بے پناہ عقیدت ہر لفظ سے نمایاں ہے۔

(۲) بجنور سے نکلنے والا قومی نقطہ نظر کا مشہور ہفت روزہ اخبار

(۳) مولانا ابوالکلام کی ادارت میں شائع ہونے والا تاریخی مصور جریدہ جو عالم اسلام سے متعلق اور مسلمانوں کے مسائل اور انگریزی استبداد کے خلاف خبروں کا نمائندہ تھا۔

○

لالہ لاجپت رائے واقعتاً اُردو کے بہت اچھے مقرر تھے، ایک بار میں نے بھی اعظم گڈھ میں انکی ایک تقریر سنی تھی۔

بندے ماترم توان کا مشہور اخبار تھا، معلوم نہیں وہ اس میں لکھتے بھی تھے یا نہیں۔

آپ کا مضمون بہت اچھا ہے۔

''باقیات شبلی'' پر مرتب کا دعویٰ واقعی غلط ثابت ہوا۔

مضمون کے متعلق کیا کہنا ہے، آپ کی انشاء پردازی اور روانی قلم کا پورا مرقع ہے لیکن آپ کی نظر سے شاید اجمل خان صاحب کا وہ اعلان نہیں گذرا جس میں انھوں نے مولانا کے عقیدت مندوں سے درخواست کی ہے کہ آپ کے پاس مولانا کی کوئی تحریر، کوئی مضمون یا مسودہ یا کوئی خط موجود ہو تو مہربانی کر کے وہ بورڈ کے سکریٹری کے پاس بھیج دیں اصل خطوط اگر نہیں بھیج سکتے تو اس کی نقل ہی بھیج دیں۔

اس اعلان کے بعد آپ کے مضمون کی اہمیت اگر کم نہ ہو تو اسے ''آجکل'' میں ضرور بھیج دیا جائے، میں عرشی صاحب کو خط لکھدوں گا، میں نے تو پہلے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ اپنے تحقیقی مضامین ''آجکل'' میں بھیجئے تو کچھ حاصل بھی ہو، اخبارات میں بھیجنے سے کیا فائدہ مضمون کے ساتھ میں آپ کا تعارف نہایت شاندار الفاظ میں کرادوں گا۔

میرا خیال ہے مولانا کے زبان وقلم اور فکر و دماغ پر بڑھاپا کبھی طاری نہیں ہوا، انکی زندگی کے سارے معمولات جن میں پابندی سے لکھنا پڑھنا بھی شامل تھا پورے ضبط وانضباط کے ساتھ آخر تک جاری رہے البتہ یہ ضرور ہے کہ انکی ساری چیزیں ابھی تک پردۂ راز میں ہیں اور جب کبھی اس حریم راز سے پردہ اٹھے گا اس وقت دنیا کو معلوم ہوگا کہ وہ کیا کیا چیزیں چھوڑ کر اس جہانِ آب و گل سے رخصت ہوئے ہیں۔

اس میں انکی خود نوشت سوانح عمری بھی ہے۔ اور یجنل اردو میں ہے یا انگریزی میں

یحییٰ اعظمی اور ابوعلی اعظمی کی تحریروں میں بیسویں صدی کے دوسرے دہے سے لے کر نصف آخر تک کے واقعات کا ذکر ہندوستانی سیاست، سامراجی نظام، عالم اسلام اور ملک میں مسلم لیگ اور کانگریس کی چپقلش اور سرفروشانِ آزادی کی جدوجہد تک ہی محدود نہیں بلکہ اردو شعر و ادب، انشا، تنقید، صحافت، طنز و مزاح اور بسا اوقات لطیف اشاروں اور ادبی لطائف پر بھی محیط ہے۔

یہ داستان فقط مشرقی یوپی کے ایک کوردہ مقامی اعظم گڑھ کی ہی نہیں بلکہ دارالمصنفین جیسے نیوکلس ادارہ کے وجود سے وابستہ ہندوستان میں ہر انقلابی، ادبی، تاریخی، تمدنی اور سیاسی تحریک کا جز ہے۔

تعلیقات کے حصے میں مذکورہ پانچ افراد، دونوں بزرگوں سے تعلقات اور دارالمصنفین سے خصوصی ربط کی بنا پر شامل داستان ہیں اور یہ ناچیز ان لوگوں سے کسی نہ کسی بنا پر ارادت رکھتا رہا ہے۔

کتاب کی کوتاہیوں اور خامیوں کے لیے قارئین سے معافی کا خواستگار ہوں۔ اس کی اشاعت میں تاخیر حالات کی ناسازگاری کے باعث رہی جس کا تجربہ اچھے اچھے اور معروف اہل قلم کو ہوتا رہا ہے۔

اپنی اس کوشش میں اپنی بیوی قریشہ بیگم، بیٹیوں جاوداں ڈاکٹر شادماں، تینوں بیٹوں ڈاکٹر احمد شاد، محمد سعد اور خصوصاً چھوٹے بیٹے محمد فیض شافع کا جس نے ہر موقع پر اپنی والدہ بہنوں اور بھائیوں کی طرح مجھے مایوسی کے دائرے سے نکالتے ہوئے اس کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ سب کی صحت اور سلامتی کے لئے دعا گو ہوں۔

آخر میں اس پارک پروردگار کے بیکراں الطاف و اکرام کا ہزار ہزار شکر کہ اس کام کی توفیق عطا فرمائی۔

(بلوح الخط فی قرطاس دھرا و کاتبہُ رمیماً فی الترابا)

شعیب اعظمی

مختلف قیاس آرائیاں ہیں لیکن اس کی حقیقت اب تک کسی کو معلوم نہ ہوسکی۔

آج کی ڈاک سے ثقافت الہند آیا ہے، پورا پرچہ مولانا پر ہے، ایسی شاندار اور نادر تصویریں ہیں کہ اب تک کسی پرچہ میں نہیں آئیں، آج یہ پرچہ میرے پاس رہے گا کل بھیجوں گا، دیکھئے گا!

پہلا نمبر میں نے ابھی حال ہی میں پڑھا تھا اور دوسرے نمبر کے دیکھنے کا اشتیاق اور اس کی تلاش تھی، آپ نے بڑی مہربانی کی کہ اسے بھیج دیا، بڑی دلچسپی اور شوق سے پڑھا، اس سے مولانا محمد علی اور مولانا ابوالکلام سے متعلق بہت سی دلچسپ باتیں معلوم ہوئیں اور اس دور کے تاریخی واقعات کی یاد تازہ ہوگئی۔

دونوں نمبر بہت دلچسپ ہیں اور معلومات سے پر بھی ہیں۔

○

آپ کے مضمون کے دونوں نمبر میں نے پڑھے دوسرے نمبر میں کاش آپ کے قلم سے بعض فقرے نہ نکلتے۔ ابوالکلام کے بارہ میں میرا احساس اب بہت زیادہ نازک ہوگیا ہے اور چونکہ آپ سے مجھے خلوص ہے اور آپ بھی میرے مخلص اور قدردان ہیں اسلئے یہ خواہش ہے کہ آپ کی کسی تحریر سے میرا یہ احساس متاثر نہ ہو تو بہتر ہے۔

اس نزاعی موضوع کے علاوہ آپ کی ہر چیز میں ذوق وشوق سے پڑھتا رہا ہوں اور انشاء اللہ آئندہ پڑھتا رہوں گا اور نقطہ نظر نے اس شدید اختلاف کے باوجود انشاء اللہ ہمارے مخلصانہ تعلقات قائم رہیں گے۔

آپ نے میرے مضمون کی اختلاف کے باوجود جس طرح داد دی ہے اس کا مجھ پر بڑا اثر ہے اور آپ کی اس قدردانی اور وسعت قلب کا میں بیحد شکر گزار ہوں۔

آپ نے جب میرے کسی کلام یا تحریر کے متعلق اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا ہے تو یقین کیجئے اس سے مجھے بیحد مسرت ہوئی ہے۔ والسلام

مخلص یحییٰ

○

مضمون بہت پسند آیا، اس میں آپ نے ایک نئی بات لکھی ہے، یعنی مولانا پیر ومرشد بھی تھے اور ایک مخصوص حلقہ میں بیعت وارشاد کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ یہ مجھے بھی معلوم تھا، مولانا عبدالمجید الحریری (۱) بھی اس سلسلہ کے ان کے مریدوں میں تھے۔ ایک بات مجھے تسلیم نہیں ہے یعنی، مولانا، مولانا شیروانی کے عقیدت کیش تھے عقیدت کیش وہ بجز مولانا شبلی کسی کے نہ تھے چنانچہ سیدی ومولائی یا مولی الجلیل کا انداز خطاب انھیں کے لئے مخصوص تھا، دوسرے درجہ میں صدیق مکرم مولانا شیروانی اور تیسرے میں صدیقی العزیز وصدیقی الاعز سید صاحب اور عبدالماجد دریابادی تھے۔

○

اس تقریر کے دیکھنے کا بڑا اشتیاق تھا، ممنون ہوں کہ آپ نے پرچہ بھیجدیا، ۶ منٹ کی یہ تقریر واقعۃً قابل داد ہے لیکن اس فن میں تو مولانا کو کمال حاصل ہے، اور میرے خیال میں اس تقریر میں ابوالکلام کے کمال سے زیادہ خود مولانا کے اسلوب نگارش اور ادب وانشا کا کمال نظر افروز ہے، مولانا کی اس سے پہلے والی نشری تقریر (ابوالکلام) پر میں داد دے چکا ہوں، اور اس تقریر پر بھی انشاءاللہ دوں گا۔

عزیز لکھنوی کے لفظ مستی پر مولانا ابوالکلام کے اعتراض کو میں نے مکاتیب مھدی میں بھی دیکھا تھا، اس لفظ کا بے لگاؤ استعمال یقیناً ذم کا پہلو رکھتا ہے، اور سنجیدگی اور ثقافت کے خلاف ہے۔ مولانا کا اعتراض بالکل صحیح ہے۔

---

(۱) بنارس کے باشندہ مشکل اور لباس میں ابوالکلام کے مثنی ۱۹۴۵ء کے ہندو پاک الکشن میں نیشنلسٹ مسلم پلیٹ فارم کی جانب سے خوب دورے کئے، آزادی کے بعد غالباً حکوت ہند کی جانب سے اعلی عہدہ پر سعودی عرب میں فائز رہے، پنڈت جواہرلال نہرو کی انگریزی کتاب A Bunch of Letter کا اردو ترجمہ چند پرانے خطوط کے نام سے دوجلدوں میں شائع کیا۔)

مولانا آزاد غالب کے خطوط کے بڑے شیفتہ تھے، غالب نے رامپور سے جہاں ان کے پوتے ساتھ تھے ایک صاحب کو خط لکھا تھا اوس میں ایک جگہ تھا کہ لڑکوں نے ارہر کی کھچڑی پکوائی، خوب گھی ڈالکر آپ بھی کھائی اور سب آدمیوں کو بھی کھلائی۔

اس خوب گھی کی داد مولانا ابوالکلام آزاد نے جسطرح دی ہے، وہ خود قابل داد ہے، فرماتے ہیں:

اگر کہتے گھی ڈالکر تو گھی ڈالنے کا تذکرہ تو ہو جاتا مگر اس گھی کا نہ ہوتا جو کھچڑی کا ذائقہ شناس کھچڑی میں ڈالتا ہے اسلئے مقدار کا پہلو ابھارنے کی غرض سے خوب گھی ڈالکر قلم سے نکلا، کیا قدرت تحریر تھی، اور کیا اسلوب وتحریر کی جزئیات ودقائق کا احاطہ تھا، (بغیر دستخط)

۳۔ چنانچہ آپ تک شاید دیر میں پہونچا، اس کا سبب یہ ہے کہ مولوی صاحب (۱) نے مجھ سے لے لیا تھا، سنا ہے کسی روس کے اخبار میں مولانا کا کوئی خاص فوٹو آیا ہے، میں اسے دیکھکر اسے خود واپس کردوں گا، اس سلسلہ میں کوئی اور پرچہ یا اخبار آپ کے پاس دیکھنے کے لائق ہو تو مہربانی کر کے اسے بھی بھیجد یجئے۔

ہاں صدق کا پہلا نمبر بھی حکیم صاحب دیکھنا چاہتے ہیں۔

نشاط روح (۲) میرے پاس نہیں ہے، مدح صحابہ کانفرنس کا ایک خط شاید میرے پاس ہوگا وہ میں آپ کو دوں گا۔

میرے مجموعہ پر مقدمہ تو نہیں تعارف کے طور پر بیشک انہوں نے ایک مضمون لکھا تھا جس میں انہوں نے صاحب کتاب سے زیادہ خود اپنی کتاب زندگی کا ایک قیمتی اور تاریخی ورق پیش کیا ہے جو بہت دلچسپ ہے، یہ قلمی مضمون میرے پاس محفوظ ہے، اسے صرف دو تین آدمیوں نے دیکھا ہے، میں نے اسے اپنے دوسرے مجموعہ (۳) کے لئے اگر کبھی اس کی اشاعت کی نوبت

---

(۱) مولانا مسعود علی ندوی)

(۲) غالباً مرزا احسان بیگ وکیل اور نامور مصنف

(۳) نوائے حیات

آئی رکھ چھوڑا ہے، آپ انکے سب مضامین نقل کر لیجئے تو اسے بھی نقل کر لیجئے گا، ابھی میں اس کی اشاعت مناسب نہیں سمجھتا ایسے اگر آپ دیکھنا چاہیں تو میں بھیجدوں۔ انکے مضامین کے جمع وترتیب کا کام دارالمصنفین کی طرف سے ہو رہا ہے یا ان کے ورثاء وغیرہ کی طرف سے۔

یحییٰ

○

وہ مقدمہ کیا ہے ایک ذرہ ناچیز کا تعارف اور اس سے زیادہ خود ان کی کتاب زندگی کا ایک ورق ہے جو کہیں اور نہیں مل سکتا۔ ومسودہ مجھ سے وحید صاحب (۱) اصرار کر کے لے گئے تھے پھر واپس کر دیا، میں نے سمجھا شاید اس کے نقل کی ضرورت نہیں ہے، بہر حال میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ ان کے اور مضامین کے ساتھ اسکی اشاعت مناسب نہیں ہے لیکن اگر آپ اسکی ضرورت سمجھتے ہیں تو کل میں آپ کے پاس بھیجدوں گا۔

افتخار صاحب (۲) کے پاس واقعۃً بڑے نادر تبرکات میں ان میں شیروانی (۳) صاحب کا ایک خط بھی ہے جس میں انہوں نے ادب وانشاء کے موتی پروئے ہیں یہ حضرت سہیل (۴) کے کمالات کا عجیب وغریب اعتراف ہے۔

آپ کی تحریر کے بعض حصوں سے میں بہت متاثر ہوا خصوصاً اقبال صاحب مرحوم کی عقیدت کے سلسلہ میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھکر میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ شاید ہی کوئی دن ایسا گذرتا ہو کہ وہ مجھے یاد نہ آتے ہوں مجھے تو اب سارا ہندوستان سونا نظر آتا ہے۔

آپ کے عظمت شناس وعقیدت کیش قلم نے جو کچھ لکھا ہوگا وہ یقیناً بہتوں سے بہتر

---

(۱) ماسٹر عبدالوحید انصاری مشہور سیاسی کارکن نیشنلسٹ رہنما تھے۔

(۲) افتخار اعظمی (م: ۱۹۹۴ء۔)

(۳) حبیب الرحمان خان شیروانی

(۴) مولانا اقبال خاں سہیل

ہوگا، اس کے دیکھنے کا اشتیاق ہے، میں انشاء اللہ اس کا ایک ایک حرف پڑھوں گا تا کہ اس کے پورے مجموعہ مقالات میں شاید اسی سے کچھ تسکین ہو سکے گی۔

یحییٰ

○

میری زندگی کی محرومیوں اور پریشانیوں کی داستان تو بہت طویل ہے جن کا شاید اس دنیا میں کوئی محرم نہیں، ان حالات میں بھی میری آخری تمنا یہ ہے کہ میرا دوسرا مجموعہ کلام جن میں میرا بہت زیادہ خون جگر صرف ہے کسی طرح اس دور کے ادیبوں اور شاعروں کی نظر تک پہونچ جائے، بدقسمتی سے اس کے لئے کبھی حالات موافق نہیں ہوئے لیکن اب میں نے طے کرلیا ہے کہ اسے کسی نہ کسی طرح اپنے ہی صرف سے شائع کردوں، چنانچہ اس کے لئے میں نے ابتدائی گفتگو شروع کردی ہے لیکن اس معاملہ میں ہر ہر قدم پر آپ کی مخلصانہ ھمدردی، رہنمائی اور توجہ کی ضرورت ہے۔

اور میں انشاء اللہ اسکے حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔

آپ کو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ کتابت کے لئے میں نے غفار خاں (۱) کو تیار کرلیا ہے اور وہ پورے طور پر آمادہ ہوگئے ہیں، طباعت کے لئے صدیق صاحب (۲) سے بھی گفتگو کرلی ہے اور اب آخری گفتگو صباح الدین (۳) صاحب سے کرنی ہے جو کسی مناسب وقت میں کرلوں گا۔ اس سلسلہ میں اسے ظاہری و معنوی حیثیت سے زیادہ سے زیادہ دیدہ زیب اور جاذب نظر بنانے کے لئے آپ کے مشورے مطلوب ہیں۔

عرصہ ہوا اس کا دیباچہ میں نے آپ کو دکھایا تھا اور جسے آپ نے پسند کیا تھا لیکن اب

(۱) دونوں حضرات دارالمصنفین کے بہترین کاتب تھے)

(۱)، (۲) دونوں حضرات دارالمصنفین کے بہترین کاتب تھے)

(۳) ناظم دارالمصنفین مؤرخ، ادیب اور درجنوں کتابوں کے مصنف۔ ندوہ میں ایک حادثہ میں انتقال (۱۹۸۷ء) مدفن، دارالمصنفین)

اس میں کچھ ترمیم کی ضرورت ہوگئی ہے۔

یحییٰ

○

ممنون ہوں کہ آپ نے نظم کو بہ غور پڑھا اور اسپر اپنے گرانقدر خیالات ظاہر فرمائے آپ کی اس داد وتحسین سے حقیقت یہ ہے کہ دل مسرور ومطمئن ہوگیا۔

لفظ دہر پر آپ کا اعتراض غالباً قرآن کی آیتوں کی بنا پر ہی، لا تسبوا الدھر وما یھلکنا الا الدھر، لیکن یہ بہت باریک اعتراض ہے اور اس پر بہت کم لوگوں کی نظر جاسکتی ہے، اس موقع پر میں آپ کے ذوق بلند اور دقت نظر کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکتا، میں اسے بدلنے کی کوشش کروں گا، ایک آدھ جگہ بدلا بھی جاسکا ہے لیکن بعض جگہ مجبوری پر، دیکھئے یہ نظم پڑھی بھی جاتی ہے یا نہیں کیونکہ اسکو خود سے پیش کرنے کو میرا جی نہیں چاہتا۔

اس نظم کے علاوہ ایک نظم ذاکر صاحب کے خیر مقدم کی بھی ہے، آپ کو شاید معلوم نہ ہو ذاکر صاحب بہت دنوں سے میرے ناچیز کلام کے قدر شناس ہیں چنانچہ میرا پہلا مجموعہ انھیں کی تحریک وایماء سے شائع ہوا تھا، اس تعلق کی بنا پر دوسرا مجموعہ نوائے عصر بہار کی گورنری کے زمانہ میں میں نے ان کی خدمت میں بھیج کر یہ درخواست کی تھی کہ اسپر چند سطریں تحریر فرمادیجئے، اس کے جواب میں ان کا ایک بہت اچھا خط آیا اور لکھا کہ مجھے تمہارا کلام ہمیشہ سے پسند ہے اور یہ مجموعہ بھی بہت پسند آیا لیکن افسوس ہے کسی کی فرمایش سے طبیعت کچھ لکھنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتی اور اس معاملہ میں میں اپنے بہت سے دوستوں کو ناراض کرچکا ہوں پھر بھی اس مجموعہ پر لکھنے کی میں نے بار بار کوشش کی لیکن افسوس ہے کچھ بن نہ پڑا معاف فرمائیے۔

اب اس وقت سے ان سے برابر خط وکتابت ہے اور انکی ذرہ نوازی اور قدردانی کے کئی درجن خطوط میرے پاس ہیں جن کا بجز سعید انصاری (۱) کے کسی کو علم نہیں۔ پچھلے سال ایک نظم

(۱) پرنسپل ٹیچرس کالج، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی ۲۵ رجنوری ۱۹۸۴ء کی شب میں ڈیڑھ بجے جمعرات اور جمعہ کے دن انتقال کیا، حکیم اسحاق مولانا مسعود علی ندوی، شاہ معین الدین ندوی اور یحییٰ اعظمی سے مخلصانہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

صدر و نائب صدر کے عنوان سے لکھی تھی جو نیا دور میں شائع ہوئی تھی، اس پر ان کا ایک بہت اچھا خط آیا، جو ادب و انشا سے معمور اور پڑھنے کے قابل ہے۔ موصوف کی اس غیر معمولی قدر دانی اور لطف و کرم سے مجھے یہ نظم لکھنے کے لئے مجبور کر دیا، بیجا مداحی اور قصیدہ گوئی میری طبیعت کا شعار نہیں لیکن کیا کروں بعض اوقات میری فطرت کی عقیدت کیشی نہیں جاتی، یہ نظم بھی کبھی آپ کو دکھاؤں گا، اس کا کسی سے اظہار نہ کیجئے گا اور میرے اور ذاکر صاحب کے اس تعلق کو بھی کسی سے ظاہر نہ کیجئے گا۔

ہاں ''دانائے راز'' کی ترکیب تو میرے خیال میں بہت ہی سلیس رواں، صاف اور صحیح اور اپنے وسیع مفہوم کے لحاظ سے اس مصرع میں نہایت موزوں ہے، اقبال سہیل نے بھی اسے لکھا ہے اور ڈاکٹر اقبال نے بھی:

دگر دانائے راز آید کہ ناید

اس بند میں البتہ ایک مصرع مجھے بہت ثقیل نظر آ رہا ہے، جسکے ہر چپہ پہ صدقے ہو غوامض کی بہار، خاص کر چپہ پہ اور غوامض، اسکو بدلنے کے لئے ہر وقت سوچتا رہتا ہوں، اس نظم میں غلطی سے دو جگہ امعان نظر لکھدیا ہے، ایک جگہ عرفان نظر ہے ''شرط ہے جسکے نظر کے لئے عرفان نظر''

یہ رقعہ پڑھکر چاک کر دیجئے

الف: ڈاکٹر اقبال کے مکاتیب میں یا ان پر جو مقالے لکھے گئے ہیں ان میں ''تصور زمان و مکان'' کی بحث کہیں آپ کی نظر سے گذری ہے، ان کے یہاں زمان و مکان کا کیا مفہوم ہے، کیا اس سے آسمان و زمین مراد ہے؟

یحییٰ

(گذشتہ صفحہ کا حاشیہ)

تعلقات کی بنا پر ہر سال گرما کی تعطیلات میں اعظم گڑھ آتے اور دلچسپ صحبتیں رہتیں دار المصنفین کی مجلس شوریٰ کے مدتوں ممبر رہے۔

○

میں نے آپ کا پورا مضمون پڑھ ڈالا، اور دلچسپی سے پڑھا جہاں آپ نے مولانا ابو الکلام اور مولانا عبدالماجد کا موازنہ کیا ہے، اس سے البتہ مجھے کسی قدر اختلاف ہے، میرا خیال ہے کہ علمی ذوق کے اشتراک واتحاد کے باوجود دونوں کی راہیں زندگی بھر الگ الگ رہیں۔

اس سے بھی مجھے اتفاق نہیں ہے، کہ یہ دونوں عالم خواجہ تاش تھے مولانا ابوالکلام کا علم وفضل تمامتر موہبت الٰہی اور فیضان خداوندی کا نتیجہ تھا اور وہ اس میں کسی دنیاوی استاد کے منت کش نہ تھے۔ مولانا شبلی کے مکاتیب سے بھی کہیں اس کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ وہ انھیں اپنے خطوط میں اسطرح مخاطب کرتے ہیں جیسے اپنے کسی معاصر اور ہم مرتبہ دوست کو مخاطب کرتے ہیں۔

بقیہ ہندوستان کے عربی مدارس کے نظام تعلیم اور عربی زبان میں تحریر وتقریر کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ بہت خوب ہے، اور ارباب مدارس کو اس پر غور کرنا چاہئے۔

یحییٰ

○

الف: مضمون دیکھا اور مولانائے دریابادی کا نوٹ بھی نظر سے گذرا لیکن میرے نزدیک مدیر ''صدق'' سے متعلق حسن ظن کے اظہار میں غلو ہی مضمون کی اشاعت کا اصل محرک ہیں۔

مضمون کا علمی رنگ بیشک مستحق تحسین ہے، فارسی نعت گو شعراء میں سعدی، جامی، عرفی، عراقی، حکیم سنائی کے نام یاد آتے ہیں، دواوین میں اور مشاہیر شعراء کے کلام بھی مل جائیں گے۔

عرفی کے مشہور نعتیہ قصیدہ کا یہ شعر تو عام طور پر زبان زد ہے۔

عرفی مشتاب این رہ نعت است نہ صحراست ہشیار کہ رہ بردم تیغ است قلم را

ب: میں نے سید صاحبؒ کا کلام جستہ جستہ پڑھ ڈالا، سب سے زیادہ مجھے فارسی کا وہ قصیدہ پسند آیا جو مولانا شبلی پر انھوں نے لکھا ہے بہت استادانہ ہے اور اس پر کہیں کہیں سہیل کے رنگ کلام

کا دھوکا ہوتا ہے۔

''نوحہ استاد'' میں بھی غیر معمولی سوز وگداز اور واردات غم کی ترجمانی ہے لیکن اسکی زبان نہایت ثقیل اور غیر فصیح ہے۔

کہیں کہیں کلام میں زبان وبیان کا سقم بھی نظر آیا جن پر میں نے سرخ نشان کردیا ہے، بعض جگہ مولوی مجیب اللہ (۱) صاحب نے غلط اصلاح کی کوشش کی ہے آخر شعروادب میں ان کو کب یہ مقام حاصل ہے۔

ایک خط میں سید صاحب کے متعلق ماجد صاحب کو لکھتے ہیں اور یہ فقرے کس قدر دلچسپ ہیں، سلیمان اعظم اس طرح گئے جیسے کسی کے سر سے سینگ (وفد خلافت کی طرف اشارہ ہے)

''کعبہ سے پہلے عزم لندن کا۔''

ان سے یہ پوچھنا رہ گیا کہ تنہا آئیں گے یا وہاں سے بھی لائیں گے، مولویوں کے

---

(۱) مشہور عالم، فقیہ، مصنف مدیر الرشاد، ناظم جامعہ الرشاد (م: ۱۹۰۵ء، مدفن اعظم گڑھ)

سعدی شیرازی مشہور عالم، صوفی شاعر اور ادیب گلستاں نثر میں بوستان نظم میں، غزلیات کا دیوان اور کلیات، ایرانی محقق محمد علی فرغی کا مرتبہ دیوان مستند ہے، عراقی (۳) فخر الدین (م ۶۸۰) معروف عارف، بہاؤ الدین ذکریا ملتانی کے مرشد شہاب الدین سہروردی اور صدر الدین قونوی کے فیض یافتہ، لمعات عراقی یادگار سنائی (۴)، حکیم ابوالمجد، ۵۴۴ھ مشہور صوفی عارف اور شاعر بڑے صوفیا کے حلقہ بگوش، قصاید، غزلیات اور قطعات کا دیوان اور مثنوی حدیقۃ الحقیقۃ جامی عبدالرحمان (۵) (م ۸۰۹۸ھ) عالم، شاعر استاد، تین دیوان، سات مثنویاں متصوفانہ آثار میں تواریخ جامی، بہارستان اور نفحات الانس:

لئے تعدد حرم ناجائز نہیں ہے کیا اچھا ہوتا اگر یہ اپنے مغربی سفر کے مستحضرات روز نامچہ کی صورت میں مرتب کرتے جاتے۔

اگر یہ اپنی مولویت سمندر پار چھوڑ آئے تو کام کے آدمی ہو جائیں گے ایک جگہ مولانا حمید الدین (۱) کے متعلق چوٹ کی ہے۔

آپ تو ان کے تبحر علمی کے دلدادہ ہیں لیکن میں خیالات کے لحاظ سے ان کی ''میانجیت'' سے گھبراتا ہوں۔

ان کی اوقات کبھی اتنی تھی کہ شبلی سے باتوں کے سلسلہ میں جہاں یہ آئے میں فوراً چپ ہو جاتا تھا، شبلی ہنس دیتے تھے۔ یحییٰ

○

الف: مکاتیب سلیمان کے ان اقتباسات کو پڑھکر بیحد افسوس ہوا، کاش مولانا عبد الماجد صاحب ان قطعی پرائیویٹ خطوط کو شائع کرنے سے احراز کرتے سید صاحب کی اس رسوائی کی ذمہ داری انھیں مرتب مکتوبات پر ہے۔

''چٹان'' کس سے آپ نے بھیجا مجھے نہیں ملا ''نہر و نمبر'' مل جائے تو ضرور بھیجد یجئے گا، اس طرح کے اختلافی مضامین کو میں سخت ناپسند کرتا ہوں دونوں بزرگوں کے معتقدین کے یہ جھگڑے عرصہ ہوا ختم ہو گئے تھے لیکن اس مراسلے سے یہ اندیشہ ہے کہ یہ پھر شروع ہو جائیں گے۔

اس مراسلہ کا لب ولہجہ بیشک سخت اور اشتعال انگیز ہے لیکن میرا مشورہ ہے کہ آپ اس کے جواب میں خاموشی اختیار کر لیں تو بہتر ہے زیادہ سے زیادہ آپ ان کو ایک پرائیوٹ خط لکھدیں کہ میرے مضمون کا مقصد کسی ناگوار بحث کا چھیڑ نا نہیں تھا بلکہ ایک حقیقت کا اظہار تھا، آپ بلاوجہ اس سے مشتعل ہو گئے جو آپ جیسے سنجیدہ اہل قلم کے شایان شان نہ تھا۔

جنگ (۲) کے بعد مجھ سے خط و کتابت بند ہے ورنہ میں خود لکھدیتا۔ یحییٰ

---

(۱) فراہی، معروف عالم اور مفسر قرآن (م ۱۹۳۰ء)

(۲) ہند و پاک: ۱۹۶۵ء

باب اول

تعارف

یحییٰ اعظمی اور مولوی عبدالباری

میں نے ان دونوں بزرگوں کو بچپن سے والدِ مرحوم کی بیشتر نشستوں اور تقریبات میں شریک ہوتے ہوئے دیکھا اور ان دونوں کے اخلاق اور کردار دیکھ کر اُن کا گرویدہ ہو گیا۔ یوں تو والد کے چھوٹے بڑے احباب اور ملنے جلنے والے لوگوں میں درجنوں افراد اپنی مخصوص صلاحیتوں کی بنا پر پسندیدہ تھے مگر یہ دونوں مجھے سب سے زیادہ متاثر کرتے تھے چنانچہ ان کی آمد پر میں انتہائی خوش دلی سے ان کا استقبال کرتا۔

مولوی عبدالباری صاحب اور یحییٰ اعظمی اپنے بارہ میں میری عقیدت اور احترام دیکھ کر جواباً مجھ پر شفقت فرمانے لگے اور نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے والد کے مزاج، کردار اور روش زندگی کے بعد میں نے ان دونوں بزرگوں کا اثر قبول کیا خاص طور سے یحییٰ اعظمی کا جو واقعتاً ایک مثالی شخصیت تھے اور کہیں کسی طریقہ پر بھی ان کی فکر، گفتار، رفتار، نشست و برخاست، گھر کی چہار دیواری، دارالمصنفین کے احاطہ اور اصحاب صفہ کی روزانہ کی شرکت سے لے کر بازاروں۔ عام معاملات اور تعلقات میں غیر سنجیدگی کا عنصر نہ تھا۔ دین داری، شرافتِ نفس، پختگی رائے سخنورانہ ذوق، پرکشش لباس، نفاستِ طبع، بہترین آدابِ معاشرت، شیدائے قوم و آزادی فدائے رہنمایانِ ملت اور ثناخوانِ تقدیسِ مشرق کا مجسمہ تھے۔ وہ والد کے دوستوں میں سیاسی اور ثقافتی طور پر سب سے زیادہ ان سے قریب تھے۔ انور صابری، سلام مچھلی شہری، علی جواد زیدی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا اقبال احمد خاں سہیل، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا حفظ الرحمان، مولانا ابوالوفا، مولانا عبد المجید الحریری، مولانا سید سلیمان ندوی، جیسے سخنور، سخن فہم، مقرر، خطیب، سیاستداں، صاحبِ قلم

مہدی افادی کے خطوط بیوی کے نام بڑی دلچسپی اور شوق سے پڑھ رہا ہوں، اور بیحد متاثر ہوں، بیوی سے اس والہانہ شیفتگی اور محبت کی مثال مشکل سے ملیگی، یہ واقعی صحیفہ محبت ہے، اس کا ایک ایک فقرہ ایک ایک شعر بلکہ شعر سے زیادہ پر اثر اور وجد آور ہے۔ کہیں کہیں عبارت میں بے ربطی ضرور ہے لیکن وہ نازک فقرے قصداً حذف کر دئے گئے ہیں، پھر دیکھئے کہ یہ خطوط کسی علمی اور ایک شخصیت کو نہیں لکھے گئے ہیں بلکہ بیوی کو لکھے گئے ہیں اور قلم برداشتہ لکھے گئے ہیں، جس میں تمامتر مخفی وارادت محبت ہیں۔

ان خطوط کا موضوع محبت اور صرف محبت ہے اور ہر خط میں اسی کی تڑپ اور ایک ہی مضمون کی تکرار ہے لیکن اس یکسانی کے باوجود ہر خط کے انداز تحریر اور طرز خطاب میں جدت اور تنوع بھی ہے اور سب میں وہی ایک روح کارفرما ہے۔ اس کے بعض بعض حصے تو ایسے نازک اور حسین ہیں جنکی نظیر شاید دنیا کے کسی لٹریچر میں نہیں مل سکتی۔

میرا خیال یہی ہے ممکن ہے آپ کو اس سے اتفاق نہ ہو، ایک جگہ لکھتے ہیں:

,,مجھے حیرت ہوتی ہے کہ تجھ سے پہلے یعنی تیرے ملنے سے پہلے آخر کیونکر جیتا تھا لیکن یقین کی، اکلوتی بیٹی امید چمک کر کہہ رہی ہے کہ اتنا بنتے کیوں ہو؟ بی عزیز تو اب تمھاری ہیں اختیاری چیز کے لئے رونا کاہے کا، آج نہیں تو کل،، میں کہتا ہوں کہ بس اسی کل پر تو مجھے اعتراض ہے، میں تو آج چاہتا ہوں کل تو عاشق کے لئے فردائے قیامت سے کم نہیں،،

یہ فقرے تمام تر شاعری ہیں، جنکی تفسیر وتشریح کے لئے صفحے کے صفحے درکار ہیں۔

آجکل یہ خطوط (۱) مجھپر اسقدر چھائے ہوئے ہیں کہ میں ان سے بہت کم خالی الذہن رہتا ہوں، سوچتا ہوں کہ بیوی سے اس درجہ محبت اور پھر ایک طویل مدت تک جس میں جیتے جی فرق نہیں آیا اور بیوی کو بھی اس درجہ شفقت کہ روزانہ شوہر کے مزار پر چراغ جلانا، اپنے ہاتھ سے خود اسکی سفیدی کرنا، معذوری کی حالت میں اسکو اپنی نظر کے سامنے رکھنا، اسکی روزانہ زندگی کا وظیفہ ہے۔

---

(۱) مکاتیب مہدی

بظاہر یہ افسانہ معلوم ہوتا ہے لیکن ہے حقیقت وہ خوش قسمت اور تاریخی خاتون آج بھی زندہ ہے، جسکی زیارت کو جی چاہتا ہے، میرے خیال میں ڈاکٹر محمود الٰہی (۱) نے ان خطوط کو شائع کر کے ادب کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے، ان کے مقدمہ میں بھی بڑی انشا پردازی اور شاعری ہے، جس میں اونھوں نے ان خطوط کا حق ادا کیا ہے لیکن اس کے بعض بعض مقامات بہت تشنہ رہ گئے ہیں مثلاً ان کی تعلیم وتربیت اور حالات زندگی پر قطعاً روشنی نہیں ڈالی، کن اساتذہ سے تعلیم اردو ادب کا یہ پاکیزہ ذوق کس کی تربیت اور فیض صحبت کا نتیجہ ہے، دفعۃ اتنے بڑے ادیب اور انشاء پرداز کیسے ہو گئے؟ انکی انگریزی کی تعلیم کہاں ہوئی؟ وغیرہ وغیرہ۔

مقدمہ پڑھتے وقت ان سوالات کی طرف ذہن ضرور منتقل ہوتا ہے اور ایک خلا محسوس ہوتا ہے۔

ان تمام محاسن کے باوجود ان خطوط میں بعض چیزیں ایسی ملیں جن کا انتساب مہدی جیسے پاکیزہ مذاق ادیب اور انشا پرداز کے لئے کسی طرح کرنے کو جی نہیں چاہتا اور جس سے میرے ذوق نظر کو تکلیف ہوئی مثلاً ایک جگہ رینڈی کا تیل کے بجائے ریڑی کا تیل جو دیہاتی بولنے میں لکھا ہے یا پھر صالحہ کو بگاڑ کر صالحیا شاہد کو شہدا وغیرہ وغیرہ کاش مہدی کے یہاں یہ ابتذال نہ ہوتا، شبلی کے یہاں یہ چیز کہیں نہیں ملتی، میری اس بے ربط خامہ فرسائی کو معاف کیجئے گا۔

ایک جگہ گائے کے گوشت کے لئے شے غیر لطیف بیف کا استعارہ استعمال کرتے ہیں جسکی جدت قابل داد ہے کتاب ختم کر کے واپس کروں گا۔

یحییٰ

○

"صحیفہ محبت" کے خطوط اور ڈاکٹر محمود الٰہی کا مقدمہ پڑھ کر میں نے ان کو ایک خط لکھا تھا، جو تمام تر خطوط اور مقدمہ کے مطالعہ کے تاثرات کا نتیجہ تھا، اس میں میں نے انکے مقدمہ کی

---

(۱) پروفیسر سابق صدر شعبہ اردو، گورکھپور یونیورسٹی

ادبیت کی دادی تھی اوران سے ملاقات نہ ہونے پر افسوس ظاہر کیا تھا نوائے حیات ،، میں مہدی بیگم کے جوان سال فرزند مرحوم شاہد حسن کی تاریخ وفات کا ایک قطعہ بھی ہے اس تقریب سے اس کا بھی ایک نسخہ بھیجد یا تھا۔

ان سب کے جواب میں ان کا ایک خط آیا ہے جسے آپ بھی دیکھ لیجئے ان کے بھائی سے تو مجھ سے آج تک ملاقات نہیں ہوئی، اس ذکر کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔

ہاں لفظ ،، مستی ،، پر مولانا ابوالکلام کا اعتراض تو بالکل صحیح ہے جس کا جواب عزیز لکھنوی سے بھی بن نہیں پڑا ہے۔ رہا تحریک کا فارسی میں اردو معنوں میں استعمال (تحریک وتائید) تو یہ بھی محل نظر ہے۔ وہ معرکتہ الآرا ادبی بحث سامنے آتی تو دونوں کے دلائل دیکھے جاتے، اور عرفی (۱) کے کلام سے نظیر بھی،

تحریک حرکت کے معنی میں البتہ فارسی میں مستعمل ہے، اقبال سہیل کے قصیدہ کا ایک مصرعہ ہے۔

به تحریك صبا سنل گره بکشو داز کاکل

اس باب میں مولانا عبدالماجد (۲) کی عصبیت ظاہر ہے اس تقریر میں بھی وہ مولانا پر کہیں کہیں چوٹ کر ہی گئے ہیں۔

یحییٰ

o

یہ سارے خطوط پڑھ ڈالے

عجیب وغریب خطوط ہیں

علمی احباب کے علاوہ انکے وطنی احباب افراد اور شیخ محمد کے نام نے خطوط بھی پڑھنے

---

(۱) اکبر اور جہانگیر کا درباری شاعر، مشہور قصیدہ گو (پ: ۹۹۹ھ، مدفن : شیراز)

(۲) دریابادی

کے قابل، اور بیحد دلچسپ اور ادبی لطائف ونکات سے معمور ہیں۔

اب افادات بھی پھر سے پڑھوں گا، مہربانی کر کے بھیجد یجئے۔

یحییٰ

○

پورے خطوط پڑھ ڈالے، بعض بعض جگہ ان کی ''پوربیت'' اور ''گورکھپوریت'' سے منغض ہوا، کاش مہدی کے قلم سے ایسی باتیں نہ نکلتیں مرتب کو خطوط کی ترتیب وتہذیب میں اسکا خیال رکھنا چاہئے تھا۔

" اچھا اب کچھ دنوں کے لئے ذرا ''مکاتیب مہدی'' بھی دید یجئے ان خطوط کے پڑھنے کے بعد اس کے دوبارہ دیکھنے کا بھی شوق پیدا ہو گیا ہے،

لٹر ہیڈ کا قصہ دلچسپ رہا، میں نے بھی کل ہی اسے دیکھا اور بڑی ناگواری ہوئی۔

یحییٰ

○

نوائے عصر (۱) کے لئے میری درخواست پر ذاکر صاحب نے ازراہ قدردانی یہ چند سطریں لکھکر عنایت فرمائی ہیں، یہ تحریر میں آپ کو بعد میں دکھاتا لیکن مجھے اس ایک فقرہ میں کچھ کمی محسوس ہو رہی ہے، شاید کوئی لفظ چھوٹ گیا ہے۔

اسلئے آپ بھی اسے ذرا غور سے دیکھکر اپنے ذوق سے اسکی نشان دہی کیجئے۔

یحییٰ

○

الف۔ آپ اپنی چھوٹی سی لائبریری کے لئے نوائے حیات کا ایک حقیر تحفہ بھی قبول فرمالیجئے۔

کہئے بمبور کا سفر ہوا تھا یا نہیں یحییٰ

---

(۱) دوسرا مجموعہ کلام

○

ب۔ آپ کو ایک تکلیف دے رہا ہوں

،،نوائے حیات،، کا ایک مختصر اور موثر اشتہار اپنے قلم سے لکھکر اسے ''معارف'' میں دیدیجئے، اور اسی کو مسلسل ہر مہینہ میں دیدیا کیجئے۔

شاہ صاحب سے پوچھ لیا ہے۔

یحییٰ

○

ج۔ ،،نوائے حیات،، (۱) کا اشتہار معارف میں کیسے چھپ گیا؟ کیا آپ نے دوبارہ کاتب سے کہا تھا، براہ کرم اب آئندہ اسکے لئے کسی سے کچھ نہ کہئے گا۔

شفیق (۲) کی غزل کے اس شعر پر کیا آپ کی نظر نہیں پڑی۔

جن عنادل کے ترانے سے چمن گونجا تھا
وہ غریب آج نشیمن سے بہت دور ہوا

یحییٰ

○

د۔ ان تاریخی اور قیمتی اوراق کی آپ جیسے مبصر اور اہل نظر ہی قدر کر سکتے ہیں اس قدر شناسی اور مبارکباد کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس کا اصل قلمی مسودہ بھی میرے پاس محفوظ ہے آپ چاہیں تو دیکھ سکتے ہیں۔

یحییٰ

○

---

(۱) پہلا مجموعہ کلام

(۲) شفیق جونپوری (م: ۵/مارچ ۱۹۶۲ء مدفن رام باغ جونپور)

۱۳۔

آپ نے اس تحریر پر بہت سخت تنقید کر ڈالی میرے نزدیک یہ تحریر اپنی جگہ بالکل مکمل اور مربوط ہے، اور وہ جو کچھ کہنا چاہتے تھے اسے مناسب الفاظ میں کہہ دیا ہے، اس سے زیادہ میں چاہتا بھی نہیں تھا کیونکہ اس کے لئے نہ انکے پاس وقت تھا اور نہ ان کا یہ مشغلہ اور موضوع ہے، ذاکر صاحب چونکہ میرے کلام کے شروع سے قدرداں تھے اس لئے میں نے ان سے گذارش کی، یوسف حسین (۱) اور عابد (۲) صاحب سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد ابھی دیکھئے مجموعہ کے چھپنے کی نوبت بھی آتی ہے یا نہیں۔

یحییٰ

○

۱۴۔

کل موقع مل گیا اسلئے کچھ خامہ فرسائی کردی ہے اسے آپ تکلیف فرما کر کسی فرصت کے وقت میں دیکھ لیجئے اور اپنے ذوق کے مطابق اسمیں مناسب ترمیم وتنسیخ کردیجئے۔

میں نے پرائیویٹ طور پر انگریزی زبان میں انٹرنس کا امتحان بھی پاس کرلیا تھا اگر مناسب سمجھیں تو اس کا بھی کہیں ذکر کردیں گو اس کی کوئی ضرورنہیں ہے یہ بھی چاہتا ہوں کہ یہ اگر مختصر ہوجائے تو اچھا ہے یا جیسی آپ کی رائے ہو۔

اسمیں آپ کو ہر طرح کے تصرف کا حق حاصل ہے، جملوں کی ترتیب میں اگر کہیں کچھ تناقص ہو تو اسے بھی دور کردیں۔

اسے کوئی صاحب اور نہ دیکھیں۔ (سرخ روشنائی سے) والسلام یحییٰ

○

---

(۱) پروفیسر مصنف ماہر تعلیم

(۲) مشہور پروفیسر ماہر تعلیم، استاد، مترجم وصحافی، ومصنف (م: ۱۹۷۸ء، مدفن جامعہ ملیہ اسلامیہ)

۱۵۔

آپ کو ایک تکلیف دے رہا ہوں امید ہے آپ اسے دو تین دن میں کر دیں گے ابو سلمان ہندی سے آجکل مجھ سے خط و کتابت ہے، انھوں نے اپنی ایک کتاب، امام الہند میرے پاس بھیجی ہے اور اب وہ مولانا کے مکاتیب کا مجموعہ شائع کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کو مولانا کے چند خطوط مولانا عبدالسلام (۱) صاحب کے نام صدق میں ملے ہیں جنھیں وہ لے لینا چاہتے ہیں، مکاتیب کے ساتھ مکتوب الیہ کے بھی مختصر حالات وسوانح انھیں مطلوب ہیں، جنکے لئے اونہوں نے مجھے خط لکھا ہے، فرصت ملے تو تکلیف کر کے اسے بھر دیجئے، بیحد ممنون ہوں گا۔ والسلام (۲)

یحییٰ

○

۱۵۔ب

وہ اشتہار میرا نہیں، عبدالحمید (۳) اعظمی صاحب کا لکھا ہوا ہے۔

آپ سے اخلاص کی بنا پر ایک عجیب وغریب فرمائش کر رہا ہوں، معلوم نہیں آپ اسے کیا سمجھیں گے، لیکن اتنا ضرور یقین کر لیں کہ اسمیں خودنمائی اور خودستائی کا جذبہ بالکل نہیں ہے، یہ خط بھیج رہا ہوں، اسے پڑھ لیجئے، معلوم نہیں یہ کون صاحب ہیں جنھیں مجھ جیسے گمنام اور گوشہ نشین انسان کے کلام اور حالات سے دلچسپی ہے، اور اسے وہ اپنی کتاب میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔

پہلے تو میں نے سوچا کہ انھیں لکھدوں کہ میرے حالات زندگی کچھ بھی نہیں اور میں شعرا کی اس صف میں آنا نہیں چاہتا لیکن پھر یہ خیال ہوا کہ اگر آپ اپنے قلم سے نہایت احتیاط کے ساتھ چند سطریں جن میں صرف اظہار حقیقت ہو مبالغہ قطعاً نہ ہو بہ طیب خاطر لکھدیں تو میں انھیں

---

(۱) محقق، مصنف، نقاد، اور مصنف شعر الہند اور اقبال کامل (م: اکتوبر ۱۹۵۶ء، مدفن: دارالمصنفین)

(۲) یہ فارم بھرا ہوا ان منفرد رقعوں کے درمیان ملا ہے اور غالباً نہ چھپوایا جا سکا۔

(۳) سابق رکن جمعیۃ العلما، یوپی اور مشہور خطیب، حال مقیم نظام آباد

بھیجدوں۔ اگر آپ اسے خوشی سے منظور کرلیں گے تو کچھ ضروری نوٹس میں اپنی طرف سے حاضر کردوں گا، یہ خط پڑھکر مجھے بھجوادیجئے گا۔

یحییٰ

○

کتاب کے حاشیوں پر جابجا اپنے قلم کے چندٹوٹے پھوٹے اور غلط سلط نقوش دیکھ کر اس دور کی یاد تازہ ہوگئی جب والد مرحوم سے سبقاً سبقاً میں یہ کتاب پڑھ رہا تھا۔

اس وقت اس دیوان کے بہت سے اشعار مجھے زبانی یاد ہوگئے تھے اور آج بھی ایک نظر دیکھنے کے بعد وہ حافظہ میں تازہ ہوگئے۔

افسوس ہے اور تعجب ہے کہ غنی کاشمیری جیسے نازک خیال اور خوش گوشاعر کو فارسی تذکروں میں جگہ نہ مل سکی اور صاحب شعرالعجم نے اسے قابل اعتنا نہ سمجھا۔

ان کے یہ اشعار آج بھی ضرب المثل ہیں۔

غنی روز سیاہ پیر کنعان را تماشا کن کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

بہ بزم مے پرستاں محتسب خوش عزتے دارد

کہ چون آید بہ مجلس شیشہ خالی می کند جارا

ان کے اس شعر پر صائب نے اپنا پورا دیوان قربان کردیا تھا

حسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم

ان کا یہ شعر جو عرصہ سے مجھے یاد ہے اور بہت پسند ہے دیوان میں مل گیا ہے جسے دیکھکر مجھے بڑی خوشی ہوئی:

جمع کردم مشت خاشاکے کہ سوزم خویش را

گل گمان دارد کہ بندم آشیان در گلستان

آپ کا بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے یہ دیوان محفوظ رکھا اور آپکی بدولت مجھے یہ

تاریخی نسخہ (میرے نقطہ نظر سے) دیکھنے کو مل گیا، جو شکریہ کے ساتھ واپس ہے۔

یحییٰ

○

الف۔ آپ کی قدر شناسانہ تحسین کا بیحد شکر گزار ہوں، ان نظموں کو آپ کے دکھانے کا مقصد ہی یہی تھا کہ آپ کی جوہر شناس نظر سے انکے ادبی محاسن ومعائب پورے طور پر گذر جائیں،

آپ کی داد شعر وادب کے ایک جوہری کی داد ہے، اسلئے موجب فخر ہے لیکن یہ آپ کی بڑی زیادتی ہے کہ آپ نے مجھے اردو کا قاآنی کہدیا اردو اور فارسی کے قاآنی حضرت سہیل ہیں نہ کہ یہ نااہل۔

غنی کاشمیری کو چونکہ موجودہ دور بھول چکا ہے اسلئے میں نے قصداً ان کا ذکر نہیں کیا لیکن اب آپ نے اس کی طرف توجہ دلائی ہے تو یہ بندہ حاضر ہے۔

۱۵۔

جی ہاں یہ والد صاحب مرحوم ہی کی نظموں کا مجموعہ ہے، مجھے یاد ہے وہ کبھی کبھی کہا کرتے تھے کہ میری نظموں کا مسودہ کسی بک سیلر نے چرا کر شائع کر دیا ہے یقیناً یہی وہ مجموعہ ہے۔

ان نظموں کا اصل قلمی مسودہ ان کے ہاتھ کا نہایت خوشخط لکھا ہوا میرے پاس موجود ہے، آپ نے اسے خوب ڈھونڈھ نکالا اور آپ کے ذریعہ ایک تاریخی چیز مل گئی۔

بہت بہت شکریہ

یہ آپ ہی کا عطیہ اور اسے میں نے شکریہ کے ساتھ رکھ لیا ہے

یحییٰ

۱۵۔الف

نظم بہت صاف ہے اور بہت پسند آئی یہ ایک تاریخی یادگار ہے افسوس ہے اس وقت بہت مصروف ہوں، اسلئے اسے اچھی طرح دیکھ بھی نہ سکا،

یحییٰ

ب۔ آپ ہی کی تحریک پر میں نے یہ نظم اپنے نقطہ نظر سے لکھی ہے، دیکھکر شاد صاحب کے پاس بھیجدیجئے میرا خیال ہے کہ یہ معارف میں نہیں چھپ سکتی اس لئے اسے کسی اور اخبار میں بھیجوں گا اس نظم کے علاوہ دوسری نظم تھی افسوس ہے آپکی نظر سے نہیں گذری یحییٰ

عرش (۱) نے اپنی خط میں اس کی بہت داد دی تھی اور لکھا تھا کہ ارض کشمیر جتنی حسین ہے، اتنی ہی حسین آپکی یہ نظم ہے، میں جانتا ہوں کہ الفاظ کے نگینوں سے کوئی اچھا نقش بنانا بہت مشکل ہے، آپ نے تو تاج محل کھڑا کر دیا ہے۔

آپ بھی دیکھتے تو ضرور پسند کرتے، یحییٰ

عرصہ ہوا نیا دور میں ایک غزل بھیجی تھی جواب چھپی ہے، اسے بھی آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجتا ہوں۔

دونوں کو دیکھکر واپس کر دیجئے گا، والسلام یحییٰ

عبدالرزاق قریشی صاحب نے یہ خط لکھکر مجھے بیحد شکر گزار اور متاثر فرمایا ہے، آپ بھی دیکھ لیجئے کل عزیزی شعیب سے معلوم ہوا کہ آپ کو بخار آ گیا تھا، خدا کرے اب طبیعت اچھی ہو۔

تاج محل نظم پر جگن ناتھ آزاد کا ایک خط آیا ہے، قریب قریب آپ ہی کے الفاظ میں آپ کی اہلیت اور استحقاق سے یہ کام بہت فروتر اور میرے لئے آپ سے اس طرح کی فرمایش مناسب نہ تھی، اسلئے استمزاج کے بغیر صاف لکھنے کی جرات نہ ہو سکی۔

آپ کے قلم سے تین نظمیں خوشخط لکھوانا چاہتا ہوں، بس یہی کام ہے، لیکن اس کے لئے وہ شرط ضروری ہے

۱۶۔

حبیب احمد (۲) صاحب کے اس مضمون کا ذکر کرنا میں آپ سے بھول گیا تھا۔

---

(۱) پنڈت بال مکند عرش، شاعر اور مدیر آجکل (م: ۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء)

(۲) ڈپٹی کلکٹر، اتر پردیش (م: ۱۱ جون ۱۹۸۵ء کراچی)

حضرات کی آمد، نشست اور برخاست میں گاندھی، نہرو، آزاد، سوباش، ذاکر حسین، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خاں، جنگِ آزادی کے سورماؤں، خلافت کے رہنماؤں، شبلی، مولانا محمد علی کا اٹھتے بیٹھتے چرچا ہوتا اور یحییٰ کسی کے مدّاح، مدح خواں، کسی کے عقیدت کیش، مخلص اور کسی کے آشنا بننے میں کوئی تکلّف نہیں کرتے تھے اور اُن تمام قومی تحریکوں، جلسوں، میٹنگوں میں شریک ہوتے جو اُن حضرات اور شخصیات کے زیرِ اثر ہوتیں۔

اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا بہترین اظہار یحییٰ نے اپنے محبوب رہنماؤں کی قصیدہ خوانی میں کیا جس میں بقول غالبؔ صلہ کی پروا نہ تھی لیکن الفاظ اور اشعار بامعنی تھے۔ نہرو اور آزاد ان کے محبوب ہیرو تھے جن کی شان میں انھوں نے بلا مبالغہ درجنوں قصائد اور نظمیں لکھیں جو انھوں نے اپنے دو شعری مجموعوں ''نوائے عصر، نوائے وقت'' میں محفوظ کر دی ہیں۔ یحییٰ کے سیاسی خیالات بڑے سخت، مدلّل اور ناقابلِ شکست تھے، وہ سخت اور کٹر قسم کے نیشنلسٹ تھے اور والد کے قریبی سیاسی احباب میں ان کو اسی وجہ سے سب پر سبقت حاصل تھی ہندوستان کی آزادی، سیکولرزم اور جمہوریت کی قدریں والد اور یحییٰ کے مزاج اور طرزِ عمل کا حصّہ تھیں، ان پر کبھی کوئی آنچ نہ آئی اور دونوں کے دوستوں اور اغیار کی شدید مخالفت اور حالات کی بے نظیر نا مساعدت کے باوجود اپنے موقف میں کبھی کوئی تبدیلی نہ آنے دی۔

کانگریس، جمعیۃ العلماء، فارورڈ بلاک حتیٰ کہ کمیونسٹ بھی ان دونوں کی نظر میں قابلِ قدر تھے کہ آزادی کے خواہاں تھے اور ہندوستان میں جمہوری اور عوامی دور کے لئے کوشاں تھے۔ تقسیم کے قبل اور آزادی کے حصول کے بعد بھی اس نقطۂ نظر میں کوئی فرق نہ آیا اور رفیع احمد قدوائی، حافظ ابراہیم، مولانا حفظ الرحمان، مولانا ابوالکلام کی شخصیت اور خیالات سے ان دونوں کو وہی وابستگی رہی۔ مولانا ابوالکلام کے انتقال پر ۱۹۵۸ء فروری) میں نے اپنے والد اور یحییٰ دونوں کو خاموشی سے آنسو بہاتے دیکھا اور نہرو کے (انتقال ۱۹۶۴ء مئی) پر بے قرار ہو کر تڑپتے دیکھا۔ یحییٰ اعظمی کو ہندوستان کی عظمت اور اس کی مٹی اتنی عزیز تھی کہ چین کی (۱۹۶۲ء) کی جنگ کے موقع پر اُن کو بہت تکلیف ہوئی اور انھوں نے ملکی سپاہیوں کی حمایت اور حوصلہ

میرے نزدیک ان کے بہت سے اعتراضات عیب جوئی اور نکتہ چینی کا نتیجہ ہیں، اس نقطہ نظر سے اگر تنقید کیجائے تب تو پھر مولانا شبلی، حالی، سید سلیمان، عبدالماجد دریابادی کسی کی زبان محفوظ نہیں رہ سکتی۔

ان کا زیادہ تر اعتراض افعال پر ہے، دئے جاسکتے لئے جاسکتے وغیرہ وغیرہ یہ ابوالکلام صاحب کا خاص اسلوب ہے، دوسرے انشاپرداز اور ادیب بھی اسے لکھتے ہیں بقیہ تذکیر وتانیث کی ایسی غلطیاں جوش بیان اور زور کلام میں سب کے یہاں ملتی ہیں، سید صاحب نے تو ایک جگہ تعویذ کو کھلم کھلا مونث لکھا ہے جو عام لوگ بولتے ہیں اور جو بالکل غلط ہے بہرحال اس مضمون کا جواب یقیناً کسی حلقہ سے آئے گا۔

یحییٰ

۱۷۔

(بوسہ بہ پیغام گرفتن) کے کیا معنی ہیں کیا مہربانی کرکے آپ بتاسکتے ہیں کیا یہ کوئی محاورہ ہے۔

فارسی کا مشہور محاورہ ہے جو اردو میں بھی موقع ومحل کے لحاظ سے بولا جاتا ہے لیکن اس کے مفہوم پر کبھی غور کرنے کا اتفاق نہیں ہوا، آپ کو فارسی کا جو شعر یاد ہے وہ ذرا لکھ بھیجئے تو اپنے ذوق وجدان سے اسکے معنی متعین کئے جائیں،

میرے خیال میں کسی محال وناممکن الحصول شے کی تحصیل کے لئے سعی وتدبیر اور کامران کی راہ پیدا کرنا۔

لیکن یہ مفہوم میں اپنے ذوق سے متعین کر رہا ہوں، آپ اپنے اطمینان کے لئے مولوی عبدالسلام صاحب سے پوچھ لیجئے۔

فارسی کا شعر لکھکر بھیجد یجئے

مولانا شبلی کا کوئی شعر تو نہیں ہے

۱۸۔

۲۴ مئی کے صدق میں مولانا کے خطوط مولوی عبدالباری صاحب کے نام ہیں، مولانا عبدالسلام صاحب کے نام نہیں ہیں، ابوسلمان صاحب کو شاید دھوکا ہو گیا۔

اب آپ تکلیف نہ کیجئے گا میں نے انھیں لکھدیا ہے۔

یحییٰ

صفحہ ۷ پر وگرنہ ناصرہ نقدم بہ ہیچ نستانی۔ کا املاء صحیح صحیح لفظ ناصرہ نہیں ناسرہ ہے۔

صفحہ ۱۳ پر جمال ایزدی جس کے فروغ حسن سے رقصاں،

یہ رقصاں غالباً رخشاں تھے چونکہ پہلے مصرع میں رقصاں کا قافیہ آ چکا ہے۔

صفحہ ۴ پر دیکھنی چاہی شعاع حور نے جب شان جمال جب زائد ہے

سرسری مطالعہ سے ان چند غلطیوں پر دفعۃً نظر پڑ گئی بہت ممکن تھے اور بھی اغلاط ہوں یہ غلطیاں بے شک پریس کی بدنظمی کا نتیجہ ہیں لیکن جو لوگ حالات سے واقف ہیں وہ تو انھیں آپ ہی سے منسوب کریں گے حالانکہ نہ صرف فن تصحیح بلکہ فہم سخن میں بھی آپ کی مہارت مسلم ہے۔

یحییٰ

۱۹۔

ڈاکٹر انور (۱) کے سلسلہ مضامین کی تلاش میں دسمبر ۵۴ء کے پرچہ میں میری ایک نظم نظر سے گذری، مجھے اپنی یہ نظم قطعاً یاد نہ تھی آج اس پر نظر پڑی تو بالکل ایک نئی چیز معلوم ہوئی، اور میں نے اسکا ایک ایک شعر بڑی دلچسپی اور شوق سے پڑھا اور متاثر ہوا۔

جی چاہا کہ آپ بھی اسے دیکھ لیں۔ یحییٰ

---

(۱) مبوارہ کے رہنے والے عالم فاضل، اقبال سہیل پر مستقل کتاب حیات اور شاعری، مجموعہ کلام ''اذان سحر'' (م: ۱۹۶۷ء)

اسکے علاوہ سید صاحب کے دو تین مرثئے میں نے لکھے تھے وہ میرے ذہن میں تھے، لیکن اس نظم کی نقل بھی میرے پاس نہیں ہے اب میں نے اسے محفوظ کرلیا ہے،

یہ مفہوم ادا کرنا ہے، کہ وہ تمام زندگی ان کا احسان مانتے اس کے لئے ان دو جملوں میں زیادہ صحیح کون ہے۔

ان دونوں اساتذہ کی احسان شناسی سے وہ پوری زندگی بھر گرانبار رہے ان دونوں اساتذہ کے احسانات سے وہ زندگی بھر گرانبار رہے (میرے خیال میں زیادہ صحیح اور فصیح ہے) (مکتوب الیہ کا نوٹ)

احسان شناسی سے گرانبار رہنے کے کیا معنی ہیں، ایک صاحب کو اسی پر اصرار ہے (بالکل غلط اصرار ہے)

ادبیات صفحہ اول میں ایک مصرع ہے،، محض وہم ہے ایک دیدار کا،،
محض میں ح متحرک نہیں ساکن ہے

یہ سقم اسطرح دور ہوسکتا تھا

فقط وہم ہے ایک دیدار کا

یحییٰ

میں تبصرہ نگار کے فکر ونظر، زور قلم اور حسن رقم سے بہت متاثر ہوا، واقعی یہ نوجوان غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے۔

یحییٰ

پہلے بند کے جن اشعار پر سرخ نشان میں انھیں پھر دیکھئے۔
پہلے شعر کا دوسرا مصرع بدل دیا ہے، اور دوسرا شعر اضافہ ہے،
دوسرے بند میں بھی ایک شعر جو سرخ روشنائی سے ہی بڑھایا ہے، اسے بھی دیکھ لیجئے،

آج شام کو حمید اللہ (۱) صاحب سے چائے کے لئے کہا ہے ٹھیک ۵ بجے آپ بھی تکلیف کر کے آ جایئے گا۔

یحییٰ

۲۴۔

فاران کا پورا مضمون میں نے پڑھ ڈالا، مضمون نگار کے متعلق اگر آپ اتنے خفی اشارے نہ بھی کرتے تو انشاء اللہ اسکے پہچاننے میں کوئی دشواری نہ ہوتی،

مضمون ماشاء اللہ بہت پرزور اور مدلل ہے مبارکباد قبول فرمایئے مرزا احسان کا وہ فقرہ کیا پورا مضمون درحقیقت مبالغہ اور قومی عصبیت کا نتیجہ ہے اور یہ تو اس برادری کا خاصہ ہے لیکن اس کے لئے آخر سہیل صاحب مرحوم کیوں ہدف طعن وتعریض ہوں، میرا تاثر ہے کہ اس مضمون میں کہیں غیر ارادی طور پر بھی انکی تحقیر واستخفاف کا پہلو پیدا ہو گیا ہے، اسی طرح اس فقرہ کے مصنف کی شان میں شیخ سعدی کے اس شعر کی پھبتی بہت سخت ہے۔

کاش آپ کا ادب شناس قلم ان نازک پہلوؤں کو بچاتے ہوئے گذر جاتا۔

دوسرا مضمون انشاء اللہ کل پڑھوں گا

یحییٰ

۲۵۔

آپ کی یہ ذاتی ڈائری ماشاء اللہ کس قدر دلچسپ تھے، میں نے پورا مضمون بہت ذوق وشوق سے پڑھا۔

یحییٰ

۲۵۔الف

آپ کے نقوش قلم اس تحریر میں نگینے کی طرح جڑے ہوئے ہیں، یہ اصطلاحات بہت

---

(۱) انگریزی کے استاد پہلے شبلی کالج اور بعد میں علیگڑھ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

پسند آئیں مضمون صاف کر کے آج میں نے صاحب فرمائش کو بھیجدیا۔

.....کے متعلق آپکی رائے بہت صحیح ہے اور میرا ذوق تو واقعی یہاں کا رہین منت قطعاً نہیں لیکن کیا کیا جائے یہاں رہ کر کچھ نہ کچھ مداہنت کرنی ہی پڑتی ہے۔

آپ کی اس صاف گوئی سے طبیعت بہت خوش ہوئی۔

یحییٰ

۲۵۔ب

پورا مضمون اور حواشی پڑھ ڈالے، آپ نے منشی جی (۱) پر یہ مضمون بڑی محنت اور تفصیل سے لکھا ہے اور گویا یہ آپ کے خاندان کی پوری تاریخ ہے جس سے میں ابتک واقف نہ تھا، اس میں اس دور کی اہم شخصیتوں کے متعلق بھی بہت سی مفید معلومات ہیں جنھیں میں نے بڑی دلچسپی سے پڑھا منشی جی نے آخری دور میں آپ کے تعارف کے بعد میں مجھ سے بھی خط و کتابت کی تھی اور انکے بیشمار خطوط اب تک میرے پاس محفوظ ہیں اگر آپ کو دلچسپی ہو تو میں انھیں پیش کر سکتا ہوں۔

یحییٰ

۲۶۔

اچھا یہ آپ ہی کا مضمون ہے مجھے معلوم نہیں تھا

آپ کو اللہ تعالیٰ نے حسن تحریر و انشا کی جو صلاحیتیں بخشی ہیں ان سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کا بھی افسوس ہے کہ یہ صلاحیتیں مفید کام میں صرف نہیں ہو رہی ہیں،

آپ چاہتے تو اپنے قلم کے ذریعہ ملک کے علمی و ادبی حلقہ میں کافی روشناس ہو سکتے تھے اور اس سے مالی فوائد بھی حاصل کر سکتے تھے۔ آپ کا ''افکارِ سُہیل'' والا مضمون مجھے بہت پسند

---

(۱) ابوعلی اعظمی کے خاندانی بزرگ محمد احمد صاحب مرحوم

آیا تھا میرے نزدیک اس مجموعے میں سب سے بہتر مضمون یہی ہے، الجمیعۃ والا مضمون بھی غالبا پڑھا ہوگا لیکن اس وقت وہ ذہن میں نہیں ہے۔

فاران (۱) والا مضمون پڑھ رہا ہوں یقیناً یہ افتخار اعظمی (۲) کے مضمون سے بہتر ہی ہوگا، مجھے بھی ان کا مضمون ذکر سہیل قطعاً پسند نہیں آیا تھا، روش صدیقی (۳) پر ان کا مضمون بیشک اچھا تھا۔

یہ آپ کی سعادت مندی ہے کہ اپنے قلم سے اپنے بزرگوں کے نام کو زندہ رکھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

یحییٰ

۲۷۔

آج شاہ صاحب نے اس مضمون اور میرے رقعہ کے متعلق گفتگو ہوئی اور انھوں نے کہا بالفرض اگر وہ مضمون مولوی عبدالباری صاحب کا ہو بھی تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے مجھے اختلاف ہو، بلکہ اس کے زور استدلال کی داد دی اور اس کا اعتراف کیا کہ وہ فقرہ مجھے ضرور کاٹ دینا چاہئے تھا، تعجب ہے اس پر میری نظر نہیں پڑی، یہ بھی کہا کہ ان کو میری طرف سے اطمینان دلا دیجئے۔

یحییٰ

آپ کا مضمون میں نے دلچسپی سے پڑھا، شاہ صاحب نے صحیح کہا کہ آپ کو بھی خوب سوجھتی ہے، غبار خاطر کے اس موضوع کی طرف کسی کا ذہن بھی منتقل نہیں ہوسکتا تھا آج صبح یہاں ڈاکٹر اشفاق (۴) کسی ضرورت سے آئے تھے ان سے معلوم ہوا کہ

(۱) مولانا ماہر القادری کا رسالہ کراچی سے شائع ہونے والا

(۲) گذشتہ صفحات میں ذکر آچکا ہے

(۳) شاہد عزیز، مشہور شاعر (م: ۲۳ر جنوری ۱۹۷۱ء)

(۴) راقم کے بڑے بھائی (م: ۲۰۰۱ء مدفن قبرستان جامعہ نگر، دہلی)

انعام(۱) کا آج جانا ملتوی ہوگیا ہے، اب کل جائیں گے۔
شام کو آپ آنا چاہیں تو آیئے ان سے رخصتی ملاقات بھی ہو جائے گی۔

یحییٰ

۲۸۔

خوش ہوں کہ شاہ صاحب نے آپ کا مضمون معارف کے لئے رکھ لیا درحقیقت وہ اسی کا مستحق تھا،

صدیق صاحب والے واقعہ کے متعلق کبھی ملاقات ہوگی تو زبانی کہوں گا افسوس ہے کہ میں آج بھی نہ آسکا، کل کا بقیہ کام پورا کر رہا تھا۔

یحییٰ

نامی(۲) صاحب کا مضمون میں نے بھی پڑھا تھا اس لئے ہماری زبان کے پرچہ کی تلاش تھی، فاروق بانسپاری سے میری بھی سرسری ملاقات ہے اور ان کا مجموعہ کلام بھی نظر سے گذرا ہے۔

انکی اکثر نظموں میں ڈاکٹر اقبال کی لایعنی نقالی ہے، نامی انکے خاص حامیوں اور پروپیگنڈا کرنے والوں میں ہیں اس کا سبب وہی ہے جو آپ نے لکھا ہے، اونھوں نے خلیل الرحمان(۳) کا ذکر جس توہین آمیز طریقہ سے کیا ہے دوسرا سر عصبیت اور جہل پر مبنی ہے، ان کا تبصرہ بہت دلچسپ اور حقیقت افروز ہے اور مجھے بھی اس سے اتفاق ہے۔

آپ کا مضمون بھی دلچسپی سے پڑھا

یحییٰ

---

(۱) راقم کے چچا(م:۱۹۹۲ء) مدفن، اعظم گڑھ

(۲) عبدالباقی طبیب ہمدرد دواخانہ اعظم گڑھ، شاعر، نامی تخلص

(۳) اُردو کے مشہور استاد اور نقاد اور شاعر (م: یکم جون ۱۹۷۵ء)

الف۔

جی ہاں ملیح آبادی نمبر اس محرم کی تعطیل میں میرے نام ہمدرد دواخانہ میں آیا تھا اور آجکل مولوی اسلم صاحب کے پاس ہے، وہ پڑھ لیں گے تو آپ کے پاس بھجدوں گا۔

گذشتہ سال احمد سعید (۱) صاحب کی فرمائش پر میں نے اسکے لئے ایک نظم بھیجدی تھی اسی لئے اونھوں نے یہ نمبر مخصوص پر میرے نام بھیجا ھے۔

بہت دلچسپ، دیدہ زیب اور شاندار نمبر ہے اور ملیح آبادکی بعض تاریخی تصویروں سے مزین ھے

یحییٰ

۳۰۔

مضمون پر از معلومات اور تاریخی واقعات سے لبریز ہے، لیکن فاران کو آپ نے اسکی اشاعت کے لئے کیوں منتخب کیا ھے، اسکے پڑھنے والے ہندوستان میں کتنے ہیں اور پاکستان میں اس مضمون کی کیا قدر ہوگی، ہندوستان میں تو بہر حال اس دور کی یادگار ہستیاں اب بھی موجود ہیں،

آپ شاہ صاحب کو دکھایئے، اگر معارف میں چھپ جائے تو کیا کہنا ھے، بیشک موضوع اور مباحث ومعلومات کے لحاظ سے معارف ہی اسکے لئے موزوں ہوسکتا ہے۔

اردو ادب علی گڈھ کا آیندہ سہ ماہی نمبر ابوالکلام نمبر ہوگا جو دسمبر میں شائع ہوگا، اس میں بھی آپ بھیج سکتے ہیں، بشرطیکہ شاہ صاحب کا مضمون کے ساتھ ایک خط لکھدیں،

آپ کا آجکل والا مضمون کیا ہوا، پھر اس کے بعد کچھ پتہ نہ چلا، عزیزی شعیب نے آپ کو خاص طور پر سلام لکھا ہے، وہ اکتوبر کے دوسرے ہفتہ میں آرہے ہیں۔

امید ہے صدیقہ سلمہا کا علاج شروع ہوگیا ہوگا، میں آج دوپہر کو آپ کے یہاں آنے والا تھا مگر مہینہ کی آخری تاریخ کی وجہ سے مشغول ہوں، اور کل پہلی ہے انشاء اللہ پرسوں دوپہر کو آؤں گا۔

---

(۱) مدیر آزاد ہند کلکتہ ..... راجیہ سبھا کے تازہ ترین رکن

۳۱۔

نعیم صدیقی صاحب کا یہ پرچہ شروع ہی سے میرے نام معلوم نہیں کیوں برابر مفت آ رہا ھے، پہلا پرچہ جب اونھوں نے بھیجا تو اسکے متعلق میری رائے اور میرا مجموعہ کلام بھی طلب فرمایا، مجموعہ تو میں نے اخلاقاً فوراً بھیجدیا لیکن رائے کے بھیجنے سے احتراز کیا، پھران کا خط آیا کہ چند سطریں ضرور لکھدیجئے، میں نے رسمی طور پر اسکی تعمیل کردی اس کے بعد پرچہ برابر آتا رہا، میں نے ان سے نوائے حیات پر نہ اظہار خیال کی درخواست کی اور نہ مجھے اس کا انتظار تھا۔

آج بھی پرچہ لیکر میں نے رکھدیا تھا، آپ کا رقعہ آیا تو وہ تبصرہ تلاش کرکے دیکھا، آپ کے اس تاثر میں یقیناً آپ کی قدردانی اور محبت بھی شامل ھے جس کا میں بیحد شکر گزار ہوں۔

تبصرہ نگار کو غالباً اس چیز نے بھی متاثر کیا ھے،

آپ کو شاید معلوم ہو، نوائے حیات کی بعض نظمیں جماعت اسلامی کے مزاج کے خلاف بالکل اُسپر شدید تنقید کی حیثیت رکھتی ہیں۔

والسلام

یحییٰ

۳۲۔

آپ کے جتنے مصرع ہیں سب ساقط الوزن ہیں اصل بحر تو یہ ھے

فاعلن فاعلن مفاعیلن

زائر محترم مبارکباد

اور پھر عجم کا لفظ تو ناگزیر ہے کیونکہ یہ ہم قافیہ ہے،

میرے نزدیک بھی مقدمت کا لفظ زیادہ موزوں ہے، کیونکہ اس میں دونوں مفہوم آجاتے ہیں خیر مقدم کا بھی اور وطن میں آنے کا بھی

لیکن ثاقب (۱) کو ہمیشہ یہ غلط فہمی رہی ہے کہ وہ جو کچھ رطب ویابس لکھتے ہیں صحیح ہوتے ہیں اوران میں اصلاح وترمیم کی گنجائش نہیں ہوتی ھے۔

یہی وجہ ہے کہ انکا کلام اغلاط واسقام کا مجموعہ ہوتا ہے،

مقدمت کی اصلاح وہ قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں اسی لئے اونھوں نے بازگشت کا لفظ نکالا ہے جو یقیناً صحیح ہے اور واپسی سے بہتر ہے لیکن مقدمت میں جو بلاغت ھے وہ اس میں قطعاً نہیں ہے اس نظم میں اور بہت سی خامیاں ہیں جو اصلاح طلب ہیں۔اور بعدازیں قیام طویل بھی فارسیت کے خلاف ہے۔

ازعرب بعداززیارت حج

مقدمت درعجم مبارکباد

یحییٰ

انکی غزل میں جو لطافت وروانی اور برجستگی ہوتی ہے وہ نعت میں قطعاً نہیں ہے اور مجھے تو مطلع ہی کھٹک رہا ہے۔

یحییٰ

فخر بشر اور محبوب یزدان تو رسول اللہ کا لقب ہے وہ کسی انسان کا نہیں ہوسکتا

وہی فخر بشر ھے اور وہی محبوب یزداں ھے

ولائے احمد مختار جس کا دین وایمان ھے

یہ مجموعہ میں نے ادھر ادھر سے دیکھا آپ کی اس محنت کا اجر انشاءاللہ بارگاہ رسالت سے بھی آپ کو ملے گا۔

امیر مینائی (۲) کے نعتیہ کلام سے میں بہت متاثر ھوا، مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ ان کی

---

(۱) حکیم مصلح الدین ثاقب، اعظم گڑھ میں طبابت، علی گڑھ اجمل خان طبیہ کالج میں استاد (وفات ٹرین میں الہ آباد سے علی گڑھ جاتے ہوئے)

(۲) امیر احمد مینائی، متاخرین شعرا میں شمار (م: ۱۳/اکتوبر ۱۹۰۰، حیدرآباد)